



اس بستی کے
اک کوچے میں



ابن
انشاء

ایں اتشا

اس یسٹ کے
اک کچھ میں

اس بسترے
اک کچے میں

این ایس

عاکف بکڈ پو

ISBN 81-8188-064-1

نام کتاب	:	اس بستی کے ایک کوچے میں
مصنف	:	ابن انشاء
سن اشاعت	:	۲۰۰۹ء
قیمت	:	120 روپے
مطبوعہ	:	ایچ۔ ایس۔ آفیسٹ پریس، نئی دہلی۔ ۲
پبلشر	:	عاکف بک ڈپو
		۳۲۴۳، کوچہ تاراچند، دریا گنج نئی دہلی۔ ۲

IS BASTI KEY AIK KUCHEY MEIN

IBN E INSHA

PRICE RS. 120/-

YEAR 2009

PRINTED AT H.S. OFFSET PRESS NEW DELHI-2

AAKIF BOOK DEPOT

3243, Kucha Tarachand, Darya Ganj, New Delhi-2

Ph: 011-23257189 Fax : 91-11-23265480

E-mail sales@aakif.com www.aakif.com

ترتیب

۱۲	انشا جی بہت دن بیت چکے	نظمیں :
۲۰	دل اک کٹیا دشت کنارے	
۲۳	معرض کرو	
۲۵	اُس آنگن کا چاند	
۲۸	گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا	
۳۰	دروازہ کھلا رکھنا	
۳۲	انشا جی ہے نام انہی کا	
۳۶	مبت پر نام کسی کا بھی ہو	
۳۸	سانجھ بھٹی چودیس	
۴۳	بستی میں دیوانے آئے	
۴۶	اس بستی کے اک کوچے میں	
۴۹	سب مایا ہے	
۵۲	پھر شام ہوئی	
۵۵	پھر وہی دشت	
۵۸	اک پتا اک جوگی	

- ۶۰ آتی ہے پون ، جاتی ہے پون
- ۶۲ یا تو یہ شخص
- ۶۴ اسے سورج کی دوشیزہ کرن
- ۶۶ کل ہم نے پنا دیکھا ہے
- ۶۸ کیا دھوکا دینے آؤ گی ؟
- ۷۰ وہ ایک کلی چنبیلی کی
- ۷۲ یہ کون آیا
- ۷۴ یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں
- ۷۶ تو کہاں چلی گئی تھی
- ۸۱ کنت
- ۸۳ سکھ چاہو تو
- ۸۴ اپنا اپنا چاند
- ۸۶ ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے
- ۸۸ اک بار کہو تم میری ہو
- ۹۰ ایک لڑکا
- ۹۱ دل آشوب
- ۹۳ اُسی چاند کی کھوج میں
- ۹۸ لے چلی جی کی بے قراری دُور
- ۱۰۰ مجلسی سی اک بستی ہیں
- ۱۰۲ ایک اور ہزیمت
- ۱۰۴ دل پیت کی آگ میں جلتا ہے

۱۰۸	مغرب کی ازاں
۱۱۱	مت جاؤ، مت جاؤ
۱۱۳	انشا کہو
۱۱۵	۲۸
۱۱۷	ماضی کے غرابے کی
۱۱۹	کچھ دے اسے رخصت کرو

۱۲۲	کیسی بھی ہو اس شخص کی اوقات عزیزو	غزلیں :
۱۲۳	جلنے تو کیا ڈھونڈ رہا ہے	
۱۲۴	کل چودھویں کی رات تھی	
۱۲۶	راز کہاں تک راز رہے گا	
۱۲۷	رات کے خواب سنائیں کس کو	
۱۲۸	اے متوالی، بدلی کالی	
۱۳۰	انشا جی اٹھو اب کوچ کرو	
۱۳۲	دیکھ ہماری دید کے کارن	
۱۳۳	اس شمر کے لوگوں پہ ختم سہی	
۱۳۴	جلوہ نہائی، بے پروائی	
۱۳۶	سب کو دل کے داغ دکھائے	
۱۳۷	جب دہر کے غم سے اماں نہ ملی	
۱۳۸	اے دل والو گھر سے نکلو	
۱۴۰	اس کو نام جنوں کا دے لو	

- ۱۴۲ گوری اب تُو آپ سمجھ لے
- ۱۴۳ اپنے ہمراہ جو آتے ہو
- ۱۴۴ دیکھ ہمارے ماتھے پر
- ۱۴۶ دل عشق میں بے پایاں
- ۱۴۸ دل ہجر کے درد سے بوجھل ہے
- ۱۵۰ ہم اس دل کے محرم ٹھہرے
- ۱۵۲ عرش کے تارے توڑ کے لائیں
- ۱۵۳ کس کو پار اُتارا تم نے
- ۱۵۴ شامِ غم کی سحر نہیں ہوتی
- ۱۵۶ اُس شام وہ رخصت کا سماں
- ۱۵۸ دوست و فرصت و لداری دنیا مٹی کہاں
- ۱۵۹ سُنتے ہیں پھر چھپ چھپ
- ۱۶۰ کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ

تین طویل نظمیں :

- ۱۶۱ دیوارِ گریہ
- ۱۶۵ دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے
- ۱۹۱ یہ بچہ کس کا بچہ ہے

حرفِ اول

ہمارا پہلا مجموعہ "چاند نگر" اس وقت آیا تھا جب چاند پر ابھی انسان کے قدم نہ پہنچے تھے۔ اسے فقط زمین کے نشیب سے آسمان کے بھر کے میں آرزو مندانہ دیکھا جاسکتا تھا۔ آج اس نئے مجموعے کی اشاعت کے وقت انسان چاند کی چل قدمی سے فارغ ہو کر دوسرے سیاروں پر کمندیں پھینک رہا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی کُل مریخ کا سینہ کھڑچ رہی ہے اور زحل و عطارد اس کے خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ لیکن نیچے مٹیالی دھرتی پر اس کا احوال وہی ہے کہ جو تھا۔ ہم نے جو کچھ "چاند نگر" کے دنیا چے میں لکھا تھا، آج بھی سچ ہے۔ کرۂ ارض ابھی تک ایک دُنیا نہیں ہے۔ دھرتی اور دھرتی والوں کے مسئلے وہی ہیں۔ جنگِ امن، امارت و استیاج، استعمار و محکومیت۔ جہاں ملک آزاد بھی ہو رہے ہیں، وہاں انسان آزاد نہیں ہو رہے۔ ایک طرف اسباب دُنیا کی فراوانی ہے، غلے کے گودام بھرے ہیں، دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں۔ دوسری طرف جہشتہ چٹہ اور ایشیاء کی ٹھلسی ہوئی ویرانی میں انسان اناج کے ایک ایک دانے کے لیے جانوروں کا سُوکھا گو بر گریڈ رہا ہے، مشتبہ استخوانِ بچوں میں بلکنے کی تاب بھی نہیں رہی اور ہزاروں لاکھوں لوگ تپتے تانبے کے آسمان تلے ایڑیاں رگڑتے دم توڑ رہے ہیں۔ آدمی دُنیا سوشلسٹ ہو

چکی ہے اور باقی آدھی آنا داؤد خود مختار۔۔ اور یہ سب مل کر اقوام متحدہ کے
 الزاموں پر حاوی۔ لیکن ان کی مجموعی مادی اور اخلاقی قوت اسرائیل کی جاتی
 کے معاملے میں صرف ایک بڑے اور امیر ملک کے ویٹو اور دھونس کی وجہ سے
 بیکار۔ بیروت کے تل زعتر کیمپ سے خاک و خون میں لتھڑے عرب کی فغاں اٹھ
 رہی ہے اور کوئی سننے اور دستگیری کرنے والا نہیں ہے۔ حق و باطل کے معرکے
 میں فلائنگسٹ موجود لیکن انٹرنیشنل بریگیڈ ناموجود بلکہ اس کی روایت ہی مفقود۔
 شاعر اور ادیب کریم پر عالم کی آواز کہلاتا ہے، اپنی ذات کے خول میں دم سادھے
 بیٹھا ہے، احتجاج کی نغنی صد ابھی نہیں۔

ایسے میں اپنے ذاتی جوگ۔ جوگ کی دھوپ پھاؤں کا یہ مرقع پیش کرتے
 ہونے ہم کیسے خوش ہو سکتے ہیں۔ یہ ہمارے پچھلے بیس سال کا نامہ اعمال
 ہے۔ اب پڑھنے والا جو بھی حکم صادر کرے۔



وہ نہ جو قیدِ وصال میں آیا، جس نے جو چاہا سمجھا
ہم نے اُسے محبوب بتایا، زاہد اُسے خدا سمجھا

ایک ہی جن کے روپتے سارے ساگر، دریا، بادل، بوند
نا اڑتا بادل یہ جانا، نا بہستا دریا سمجھا

آخر شب محل بھی گزرا، محل کے پیچھے بھی کوئی
بیٹھی نیند میں سویا صحرا، پردا کا جھونکا سمجھا

چلمن کے پیچھے کی چھایا، رنگوں کا طوفان بنی
اُس نے تو چہرہ جھلکایا، دیکھنے والا کیا سمجھا؟

ایک ہی ذات کے دو نور پر تو، نور اور ظلمت، تو اور ہم
ہم تو ہر حالت میں تیرے، تو بھی ہمیں اپنا سمجھا؟

انشا جی بہت دن بیت چکے

انشا جی بہت دن بیت چکے
تم تنہا تھے ، تم تنہا ہو
یہ جوگ : جوگ تو ٹھیک نہیں
یہ روگ کسی کا اچھا ہو ؟
کبھی پُرب میں ، کبھی پچھم میں
تم پُروا ہو ، تم پچھوا ہو ؟
جو نگری نگری بھٹکائے
ایسا بھی نہ من میں کاٹا ہو
کیا اور سبھی چونچال یہاں ؟
کیا ایک تمہی یہاں دکھیا ہو
کیا ایک تمہی پر دھوپ کڑی
جب سب پر مسکھ کا سایا ہو

تم کس جنگل کا پھول میاں
 تم کس بگیچ کا بیلا ہو؟
 تم کس ساگر کی لہر بھلا
 تم کس بادل کی برکھا ہو؟
 تم کس پونم کا اجیارا
 کس اندھی رین کی اوشا ہو
 تم کن ہاتھوں کی مہندی ہو
 تم کس ماسختے کا ٹیکا ہو
 کیوں شہر تہجا، کیوں جوگ لیا
 کیوں وحشی ہو، کیوں رُسا ہو
 ہم جب دیکھیں بہرِ وپ نیا
 ہم کیا جانیں تم کیا کیا ہو؟

۲

جب سورج ڈوبے سانجھ بھیے
 اور پھیل رہا اندھیارا ہو
 کسی ساز کی لے پر جھن جھن
 کسی گیت کا ٹکھڑا جاگا ہو

اس تال پہ تلپتے پیڑوں میں
 اک چپ چپ بہتی ندیا ہو
 ہو چاروں کوٹ سگندہ بسی
 جیوں جنگل پہنا گجرا ہو
 یہ انبر کے مکھ کا آنچل
 اس آنچل کا رنگ اودا ہو
 اک کوٹ روپلے تاروں کی
 اور بیچ سنہرا چسندا ہو
 اس سندر شیتل شانت سمے
 ہاں بولو بولو پھر کیا ہو؟
 وہ جس کا ملنا نامکن
 وہ مل جاتے تو کیسا ہو؟

۳

کیوں ایسے سینے دیکھتے ہو
 انشا جی تم آپ بھی پینا ہو
 اک بیتیں لکھتے شاعر ہو
 اک گیت اُگھتی بیٹا ہو

یہ باتیں مَن میں وہ سوچے
 جو کیا بستلاتیں کیا ہو؛
 وہ جس کے ہاتھ میں قسمت کی
 اک لمبی گہری ریکھا ہو
 وہ شخص پرانے قصّوں کا
 اک مدانا شہزادہ ہو
 جو شہر کا رستہ بھولا ہو
 اور جنگل میں آ نکلا ہو
 وہ راجہ کاشی نگری کا
 یا والئی بلخ و بخارا ہو
 کچھ اُس کے تاج پہ کلفی ہو
 کچھ اُس کا چاند سا چہرا ہو
 وہ مالک محل اٹاریوں کا
 یا رُوپے سونے والا ہو
 یا کوئی انوکھا گُن والا
 وہ جس کا جُگ میں چرچا ہو

یا کوئی سچیلہ بھبارا
جو نگرے نگرے گھوما ہو

۴

ہم نگرے نگرے گھومے تو
جب نکلے تھے آوارہ ہو
وہ لندن ہو ، وہ پیرس ہو
وہ برلن ہو ، وہ روما ہو
وہ کابل ہو ، وہ بابل ہو
وہ حبادا ہو ، وہ لنکا ہو
وہ ساحل سین و رائن ہو
یا ساحل نیل و جبلہ ہو
وہ چین کا دیش و شال کہیں
یا پچھم دیس امریکا ہو
وہ چوٹی منیو جی یا ما کی
یا الپس کا پرست اوسنچا ہو
وہ چھتیں گلابی لیڈن کی
یا نیلا آب جینوا ہو

دن استنبول کی گلیوں میں
 یا شب کی سیر پراہا ہو
 کچھ سورتیں تھیں، کچھ سورتیں تھیں
 کچھ اور بھی شاید دیکھا ہو
 جہاں نظریں ٹھہری ٹھٹکی ہوں
 جہاں دل کا کانٹا اٹکا ہو
 پر بسم کو تو کچھ یاد نہیں
 کچھ کھویا ہو، کچھ پایا ہو
 ان باتوں میں، ان گھاتوں میں
 سنجوگ کا کوئی لمحہ ہو
 ہم اپنے جو خود آپ نہیں
 پھر بولو کون ہمارا ہو
 یوں سمجھو شہر سرائے میں
 شب بھر کے لیے کوئی اُترا ہو
 کوئی پردیسی، کوئی سیلانی
 وہ جس کا دُور ٹھکانا ہو
 شام آتے سویرے کوچ کچھ
 جب دُھندلا دُھندلا رستہ ہو

جب دھرتی سُونی سُونی ہو
جب انبر پھیکا پھیکا ہو

۵

اک عالم تھا ، کیا عالم تھا
وہ سمپتا ہو ، یا جھوٹا ہو
ہم اپنے آپ میں ڈوب گئے
خود پتھر بن ، خود دریا ہو
جیوں گھاٹ کاس کا تنکا جنگل میں
جیوں آندھی میں کوئی پتہ نہ ہو
ہم کس سے کہیں ، کس طور کہیں
کوئی بات ہماری سمجھا ہو !
ہم اس سے ملیں جو اپنا ہو
ہم اس سے کہیں جو ہم سا ہو

بھب یہ بھی نہیں ، جب وہ بھی نہیں
کیا بات بنے ، کیا راستہ ہو
اس زنداں میں کوئی روزن ہو
اس گنبد میں دروازہ ہو

اے جوگی، اے درویش کوی
 کیوں عمر گنوائے رستا ہو
 کیوں تن پر راکھ بھوت تلے
 تو گورکھ ناتھ کا چسلا ہو
 یہ پوُرب پچھم کچھ بھی نہیں
 یہ جوگ بھوگ بھی دھوکا ہو
 جو بچھ سے جُدا سب مایا ہے
 پا اپنے کو گر پانا ہو

کیوں اور پہ جی کو رجھاتا ہے
 یہ پیت کی ریت تو پھندا ہو
 جو ہارا جان سے ہار گیا
 جو جیتا وہ بھی رُسا ہو
 دھونی نہ رہا، بسرام نہ کر
 بس الکھ جگا کر چلتا ہو
 تُو اپنا رہ، تُو اپنا بن
 تُو انشا ہے، تُو انشا ہو

دل اک کُٹیا دشت کُناے

دُنیا بھر سے دُور یہ نگری
نگری دُنیا بھر سے زالی
اندر ارمانوں کا میسہ
باہر سے دیکھو توحنالی
ہم ہیں اس کُٹیا کے جوگی
ہم ہیں اس نگری کے والی
ہم نے تچ رکھا ہے زمانا
تم آنا تو تنہا آنا

دل اک کُٹیا دشت کُناے
بستی کا سا حال نہیں ہے
لکھیا، پیر، پروہت، پیادے
ان سب کا جنجال نہیں ہے

نابنیے ناسیٹھ نہ ٹھا کر
 پینٹھ نہیں، چوپال نہیں ہے
 سونا، رُوپا، چوکی، مسند
 یہ بھی مال منال نہیں ہے
 لیکن یہ جوگی دل والا
 اے گوری کنگال نہیں ہے
 چاہو جو چاہت کا خزانہ
 تم آنا اور تنہا آنا

آہو مانگے بن کا رمن
 بھونرا چاہے پھول کی ڈالی
 سوکھے کھیت کی کونیل مانگے
 اک گھنگھور بدرباکالی

دھوپ جلے کہیں سایہ چاہیں
 اندھی راتیں دیپ دیوالی
 ہم کیا مانگیں ہم کیا چاہیں؟
 ہونٹ سائے اور جھولی خالی
 دل بھونرا نا پھول نہ کوتیل
 بگیب نا بگیب کا مالی
 دل آہونا دھوپ نہ سایا
 دل کی اپنی بات نرالی

دل تو کسی درشن کا بھوکا
دل تو کسی درشن کا سوالی
نام لیے بن پڑا پکارے
کسے پکارے، دشت کنائے؟

یہ تو اک دُنیا کو چاہیں
ان کو کس نے اپنا جانا
اور تو سب لوگوں کے ٹھکانے
انشا جی کا کون ٹھکانا؟
اب جٹکیں تو آپ جی جٹکیں
چھوڑا دُنیا کو بھٹکانا
گیت بکت اور نظمیں غزلیں
یہ سب ان کا مال پرانا
جھوٹی باتیں، سچی باتیں
بیتی باتیں کیا دُہرانا
اب تو گوری نئے سرے سے
اندھیاردوں میں دیپ بنانا
مجبوری؟ کیسی مجبوری
آنا ہو تو لاکھ بہانا

آنا اس گُنیا کے دوارے
دل اک گُنیا دشت کنارے

فرض کرو

فرض کرو ہم اہل وفا ہوں، فرض کرو دیوانے ہوں
فرض کرو یہ دونوں باتیں جھوٹی ہوں افسانے ہوں

فرض کرو یہ جی کی بیتا، جی سے جوڑ سناٹی ہو
فرض کرو ابھی اور ہوا سنی، آدھی ہم نے چھپائی ہو

فرض کرو تمہیں خوش کرنے کے ڈھونڈے ہم نے بنائے ہوں
فرض کرو یہ نین تمہارے سچ مچ کے میخانے ہوں

فرض کرو یہ روگ ہو جھوٹا، جھوٹی پیت ہماری ہو
فرض کرو اس پیت کے روگ میں سانس بھی ہم پر بھاری ہو

فرض کرو یہ جوگ: بھوگ کا ہم نے ڈھونڈ رکھا یا ہو
فرض کرو بس یہی حقیقت باقی سب کچھ مایا ہو

دیکھ مری جاں کہہ گئے باہو۔ کون دلوں کی جانے۔ ہو
بستی بستی صحرا صحرا، لاکھوں کریں دوا آنے۔ ہو

جوگی بھی جو نگر نگر میں مارے مارے پھرتے ہیں
کاسہ لیے بھوت رماٹے سب کے دوائے پھرتے ہیں

شاعر بھی جو میٹھی بانی بول کے من کو ہر تے ہیں
بنجارے جو اُونچے داموں جی کے سوٹے کرتے ہیں

ان میں سچے موتی بھی ہیں، ان میں کس کر پتھر بھی
ان میں اُٹھنے پانی بھی ہیں، ان میں گہرے ساگر بھی

گوری دیکھ کے آگے بڑھنا۔ سب کا جھوٹا سچا۔ ہو
ڈوبنے والی ڈوب گئی وہ گھڑا تھا جس کا کچا۔ ہو

اُس آنکھن کا چاند

شام سے اک اونچی سیڑھیوں والے گھر کے آنکھن میں
چاند کو اترے دیکھا ہم نے، چاند بھی کیسا؟ پورا چاند

انشا جی ان چاہنے والی، دیکھنے والی آنکھوں نے
’ملکوں ملکوں، شہروں شہروں‘ کیسا کیسا دیکھا چاند

ہر اک چاند کی اپنی دھج تھی، ہر اک چاند کا اپنا روپ
لیکن ایسا روشن روشن، ہنستا باتیں کرتا چاند؟

درد کی ٹیس تو اٹھتی تھی پر اتنی بھی، بھر پور کبھی؟
آج سے پہلے کب اُترا تھا دل میں اتنا گہرا چاند!

ہم نے تو قسمتِ در سے جب پائے اندھیائے پائے
یہ بھی چاند کا پسنا ہوگا، کیسا چاند؟ کہاں کا چاند؟

انشاجی دُنیا والوں میں بے ساختھی بے دوست ہے
جیسے تاروں کے جھرمٹ میں تنہا چاند، اکیلا چاند

ان کا دامن اس دولت سے خالی کا خالی ہی رہا
ورنہ تھے دُنیا میں کتنے چاندی چاند اور سونا چاند

جگ کے چاروں کوٹ میں گھوما سیلا فی جبران ہوا
اس بستی کے اس کوپے کے اس آگن میں ایسا چاند؟

آنکھوں میں بھی چیتوں میں بھی چاند ہی چاند جھلکتے ہیں
چاند بی ٹھیک، چاند ہی تھوڑا سا چاند اور ماتھا چاند

ایک یہ چاند نگر کا باسی جس سے دُور رہا سنجوگ
ورنہ اس دُنیا میں سب کے چاہ چاند اور پایا چاند

اُب نے دھرتی پر پینکی نور کی چھینٹ اُداس اُداس
آج کی شب تو اندھی شب تھی آج کدھر سے نکلا چاند؟

انشاجی یہ اور نگر ہے، اس بستی کی ریت یہی
سب کی اپنی اپنی آنکھیں، سب کا اپنا اپنا چاند!

اپنے سینے کے مطلع پر جو چمکا وہ چاند ہوا !
 جس نے من کے اندھیارے میں آن کیا اُجھارا، چاند
 چنچل مُسکاتی مُسکاتی گوری کا مُکھڑا متناسب
 پت جھڑکے پیڑوں میں اَلکا پیلہ سا اک پتا چاند
 دُکھ کا دریا، سُکھ کا ساگر اس کے دُم سے دیکھ بیے
 ہم کو اپنے ساتھ ہی لے کر دُوبا چاند اور اُبھرا چاند

(۴۱)

بُھکی بُھکی پلکوں کے نیچے نمائی کا نام نہ تھا !
 یہ کاشا جو ہمیں چُھتا ہے کاشِ ننھے ہی چُھتنا چاند
 روشنیوں کی سپلی کر چیں : پورب کچھ پسم پھیل گئیں
 تو نے کس شے کے دھوکے میں تھر پڑے ٹکا چاند
 ہم نے تو دونو کو دیکھا : دونو ہی بے درد کشتور
 دھرتی والا، انبر والا، پھد چاند اور دُوبا چاند
 چاند کسی کا ہو نہیں سکتا۔ چاند کسی کا ہوتا ہے ؟
 چاند کی خاطر ضد نہیں کرتے اے مے اچھے انشا چاند

گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

دیکھ تو گوری کسے پکارے
بستی بستی دوارے دوارے
بر میں جھولی ہاتھ میں کا سا
گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

دل میں آگ دبی ہے، ڈرنا
آنکھوں میں اشکوں کا جھرنا
لب پر درد کا بارہ ماں
گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

کانٹوں سے چھلنی ہیں پاؤں
دھوپ ملی چہرے پر چھاؤں
آس ملی آنکھوں میں نرا سا
گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

بات ہماری مان کے گوری
سب دُنیا سے چوری چوری
گھونگھٹ کا پٹ کھول ذرا سا
گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

صورت ہے انشا جی کی سی
بال پریشاں ، آنکھیں نیچی
نام بھی کچھ انشا جی کا سا
گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

سوچ نہیں سا جن کو بُلا لے
آگے بڑھ ، سینے سے لگا لے
تجھ بن دے اسے کون دلا سا
گھوم رہا ہے پیت کا پیاسا

دروازہ کھلا رکھنا

دل درد کی شدت سے خوں گشتہ وسی پارہ
اس شہر میں پھرتا ہے اک وحشی و آوارہ
شاعر ہے کہ عاشق ہے، جوگی ہے کہ بنجارہ
دروازہ کھلا رکھنا

سینے سے گھٹا اٹھتے آنکھوں سے جھڑی برسے
پھاگن کا نہیں بادل، جو چار گھڑی برسے
برکھا ہے یہ جہادوں کی برسے تو بڑی برسے
دروازہ کھلا رکھنا

آنکھوں میں تو اک عالم آنکھوں میں تو دنیا ہے
ہونٹوں پہ مگر نثری — منہ سے نہیں کہتا ہے
کس چیز کو کھو بیٹھا — کیا دھونڈنے نکلا ہے
دروازہ کھلا رکھنا

ہاں تھام محبت کی گرہت م سکتے دوری
ساجن ہے ترا ساجن اب تجھ سے تو کیا چوری
یہ جس کی منادی ہے بستی میں تری گوری
دروازہ کھلا رکھنا

شکودوں کو اُٹھا رکھنا، آنکھوں کو بچھا رکھنا
اک شمع دیکھے کی چو کھٹ پہ جلا رکھنا
مایوس نہ پھر جائے، ہاں پاس و فار رکھنا
دروازہ کھلا رکھنا
دروازہ کھلا رکھنا

انشائی ہے نام انہی کا

ساجد سمے اک مست کوی یوں گیت منو برگاتا جائے
پل پل بڑھتے اندھکار میں دھیان کے دیپ جلاتا جائے

اک سم سم سے لاکھ بھرو کے روشن کے کٹاواتا جائے
سارے جگ کا روپ سمیٹے، جمبولی پھر پھیلاتا جائے

اکتارے کا میگو دوت تانوں کا مینہ برساتا جائے
چنپاتا، مسکان، مدھنرا، کیا کیا پھول کھلاتا جائے

جانے کس بستی، کس پریت، کس بن کو مدھاتا جائے
قدموں کی پہچان مٹاتا، راہوں کو ابھراتا جائے

جاکے بھید اُجاگر کرتا، اپنے بھید چھپاتا جائے
کیتوں کی جوالا بھڑکاتا، تن من کو گھملاتا جائے

بیتی گھڑیوں کی یادوں کے تیروں سے برمانا جائے
بھٹکاتا، بھلاتا، بے کل کرتا، دھیر بندھاتا جائے



انشا جی بے نامِ انہی کا، چاہو تو ان سے ملو اُمیں،
ان کی رُوح دیکھتا لاوا، ہم تو ان کے پاس نہ جائیں

یہ جو لوگ بنوں میں پھرتے جوگی بیہراگی کہلا میں
ان کے ہاتھ ادب سے چومیں، ان کے آگے سیس نوا میں

نایہ لال جٹا میں را کہیں، نایہ انگ بھوت را میں
نایہ گیر و رنگ فقیرِ چولا پہن پہن انرا میں

بستی سے گزریں تو سارے پنکھٹ کی سُندر بالا میں
ان کی پیاس بُجھانے کو خود اُمڑ گھمڑ بادل بن جائیں

نگری نگری گھومنے والوں میں ان کی مشہور کھتا میں
ویسے بات کرو تو لاج کے مارے آنکھیں جھک جھک جائیں

ناان کی گڈری میں تانب پیسہ، ناسکے مالائیں
پریم کا کاسہ روپ کی بھکشا، گیت غزل دوسے کوتائیں



جوگ جوگ کی باتیں جھوٹی، سب جی کا بھلانا۔ ہو
پھر بھی ہم سے جاتے جاتے ایک غزل سن جانا۔ ہو

ساری دنیا عقل کی پیری، کون یہاں پرسیانا۔ ہو
ناحق نام دھریں سب ہم کو، دیوانا، دیوانا۔ ہو

نگری نگری لکھوں دوارے، ہر دوارے پر لاکھ سخی
لیکن جب ہم بھول چکے ہیں دامن کا پھیلانا۔ ہو

سات سمندر پار کی گوری، کھیل ذرا کرتا رکے دیکھ
ہم کو تھا اس شہر میں ملنا، اُس کو تھا ملوانا۔ ہو

تیرے یہ کیا جی میں آئی اکھینچ لیے شرما کے نہوٹ
ہم کو زہر پلانے والی، امرت بھی پلوانا۔ ہو

سادن بتیا، بھادوں بتیا، اُجرے اُجرے من کست
کوئل اب تو کوک اٹھانا، میگھا مینہ برسانا۔ ہو

ایک ہی صورت، ایک ہی چہرہ، بستی، پرست، جھل، پیٹھ
اور کسی کے اب کیا ہوں گے، چھوڑ رہیں بھٹکانا ہو

بم بھی جھوٹے، تم بھی جھوٹے، ایک اُسی کا سچا نام
جس سے دیکھ جملنا سیکھا، پروانا جل جانا۔ ہو

سدرھے من کو آن دبوچیں۔ میٹھی باتیں، سُندر بول
میر، نظیر، کبیر اور انشا، سارا ایک گھرانہ۔ ہو

میگو : بادل

لب پر نام کسی کا بھی ہو....

لب پر نام کسی کا بھی ہو، دل میں تیرا نقش ہے
اے تصویر بنانے والی، جب تجھ کو دیکھا ہے

بے تیرے کیا وحشت ہم کو، تجھ بن کیسا صبر و سکون
تو ہی اپنا شہر ہے جانی، تو ہی اپنا صحرا ہے

نیلے پریت، اودی دھرتی، چاروں کوٹ میں تو ہی تو
تجھ سے اپنے جی کی خلوت، تجھ سے من کا میل ہے

آج تو ہم کینے کو آئے، آج ہمارے دام لگا
یوسف تو بازارِ وفا میں، ایک ٹکے کو بکتا ہے

ے جانی اب اپنے من کے پیرا بن کی گریں کھول
ے جانی اب آدھی شب ہے، چار طرف سناٹا ہے

طوفانوں کی بات نہیں ہے، طوفاں آتے جاتے ہیں
تو اک نرم ہوا کا جھونکا، دل کے باغ میں ٹھہرا ہے

یا تو آج ہمیں اپنا لے، یا تو آج ہمارا بن
دیکھ کہ وقت گزرتا جائے، کون اب تک جیتا ہے

فردا محض فسوں کا پردا، ہم تو آج کے بندے ہیں
ہجر و وصل، وفا اور دھوکا سب کچھ آج پہ رکھا ہے

سانجھٹی چودیس

(دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں)

ہم نے بھلا کبھی سوچا کسی کا؛
انشا جی کیوں دھیان آیا کسی کا
سیٹنے میں یادوں کی جوالا سی بھڑکی
آنکھوں کے آگے ہے چہرہ کسی کا
کس کا ہے؟ تم لوگ جانو تو جانو
ہم سے نہ پوچھو، ہو گا کسی کا
باتیں کریں لوگ کس مورتی کی؟
شر دھا کا مندر ٹوٹا کسی کا
پردیس جا کر پوچھا کسی نے؟
حال آ کے واپس دیکھا کسی کا؟
سیٹنے پہ چر کے بیری برہ کے
آنکھوں سے بہتا دریا کسی کا

صُورَتِ منوہر، باتیں رسیلی
 آگے تھا دھوکا ہی دھوکا کسی کا
 'ہم اجنبی ہیں، ہم سے نہ ملنا،'
 اپنا بنا کر کہنا کسی کا

(۶۱)

(اک مستانہ پھر دانی تیری نگری مچ)
 مانگا ملن اور پائی فقیہی
 گلیوں میں گھومے رمتا کسی کا
 بے چین بے چین، خاموش خاموش
 یہ جو تھا اک روز پیارا کسی کا
 آنکھوں پہ اس کے مہریں کسی کی
 ہونٹوں پہ اس کے پیرا کسی کا
 پیاس بہت، پر پیالہ نہ مدرا
 ایسا نہ ہو مدھوشالا کسی کا
 صحرا، جنوں اور کا پٹے تو اس کے
 لیلے کسی کی، نافتہ کسی کا

نہ مدھوشالا : میخانہ

لہ مدرا : شراب

راتوں کا اندھیرا اس کی کماٹی
تارے کسی کے، چندا کسی کا
حیرت ہی حیرت، حسرت ہی حسرت
بھٹتا ہے پُربے کا سا کسی کا

(۳)

(یہ ذلتِ عشق تیرے ہاتھوں
اے دوست تجھے کہاں چھپالیں)

سکھیاں نہ ساون، بھادوں نہ برکھا
بگیا نہ بگیا میں پھولوں کے تھامے
تو جو نہیں ہے تو ہم بھی کہاں ہیں
آتا ہے کیوں یاد، یاد آنے والے
نہکا کریں تیرے جوڑے کی کلیاں
مُنتی رہیں تیری خوشبو کے جاے
جاگا کرے تیرے جلووں کا جادو
سنو لاگئے جب من کے اُجاے
ہاتھوں کی ہندی، بانہوں کے کنگن
ماٹھے کی بندی، کانوں کے باسے

اُبرو کا لہراؤ، ہونٹوں کی مُسکان
 تیرے کھلونے، تیرے حوالے
 ہوتی کبھی تو یہ پیت سہاگن
 ڈولی نہ بارات، چوہتی نہ چالے
 بکھرے ہیں وہ تیرے وعدوں کے موتی
 ان کو اٹھا اور سترن بنالے
 انشامیاں چل خسرو کے پیچھے
 سانجھ بھی مری جاں مرے لالے

(۴)

(— ماییمان کوئے دلداریم)

جائیں کہاں، کہیں گھر ہو تو جائیں
 ہم تو اُنہی کے جوہم کو بلائیں

لوگ مہمیں ناحق سبھائیں
 ہم تو اُنہی کے جوہم کو بلائیں

اُن کے ستم پڑے یاد دلائیں
ہم تو اُنہی کے جوہم کو بلائیں

اور کوئی اُن سا دکھ لائیں
ہم تو اُنہی کے جوہم کو بلائیں

ہم نہ عجبت جی کو بھٹکائیں
ہم تو اُنہی کے جوہم کو بلائیں

اُن کے ہوتے اُن کے کہلائیں
ہم تو اُنہی کے جوہم کو بلائیں

بستی میں دیوانے آئے

بستی میں دیوانے آئے
چھب اپنی دکھلانے آئے
دیکھ ترے درشن کے لو بھی
کر کے لاکھ ہسانے آئے

پیت کی ریت نبھانی مشکل
پیت کی ریت نبھانے آئے
اُٹھ اور کھول جھروکا گوری
سب اپنے بیگانے آئے

پیر، پروہت، ملا، مکھیا
بستی کے سب سیانے آئے
طعنے، مہنے، ایٹھیں، پاتھر
ساتھ لیے نذرانے آئے

سب تجھ کو سمجھانے والے
آج انھیں سمجھانے آئے

اب لوگوں سے کیسی چوری؟
اٹھ اور کھول جھروکا گوری
درشن کی برکھ برسادے
ان پیاسوں کی پیاس بھجائے
اور کسی کے دوار نہ جاویں
یہ جو انشا جی کہلاویں
تجھ کو کھو کر دنیہ کھوٹے
ہم سے پوچھو کتنا روٹے
نگ کے ہوں دھتکارے ساجن
تیرے تو وہی پیائے ساجن
گوری رو کے لاکھ زمانا
ان کو آنکھوں میں بھٹلانا

بکھتی جوگ جگانے والے
اینٹیں پا تھر کھانے والے
اپنے نام کو رسوا کر کے
تیرا نام پھپھانے والے

سب کچھ بوجھے، سب کچھ جانے
اسخانے بن جانے والے
تجھ سے جی کی بات کہیں کیا
اپنے سے شرمانے والے
کر کے لاکھ ہانے آئے
جوگی الکھ جگانے والے

دیکھ نہ ٹوٹے پیت کی ڈوری
اٹھ اور کھول جھروکا گوری

اس بستی کے اک کوچے میں

اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام کا دیوانا
اک ناز پہ جان کو ہار گیا، مشہور ہے اُس کا افسانا

اُس نار میں ایسا روپ نہ تھا، جس روپ کے دن کی دھوپ ہے
اس شہر میں کیا کیا گوری ہے، مہتاب رُخے گلزار بے
کچھ بات تھی اس کی باتوں میں، کچھ بھید تھے اس کی چتون میں
وہی بھید کہ جوت جگاتے ہیں، کسی چاہنے والے کے من میں
اُسے اپنا بنانے کی دُھن میں، ہوا آپ ہی آپ کے بیگانا
اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا

ناچنیل کھیل جوانی کے، ناپیار کی الٹے کھاتیں تھیں
بس راہ میں ان کا ملنا تھا، یا فون پہ ان کی باتیں تھیں
اس عشق پہ ہم بھی سنتے تھے، بے حاصل سا بے حاصل تھا؛
اک زور بھرتے سا گر میں، ناکستی تھی نا ساحل تھا

جوابات تھی ان کے جی میں تھی، جو بھید تھا کیسرا بنانا
اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا

اک روز مگر برکھارت میں، وہ بھادوں تھی یا ساون تھا
دیوار پہ بیچ سمندر کے، یہ دیکھنے والوں نے دیکھا
مستانہ ہاتھ میں ہاتھ دیئے، یہ ایک لگر پر بیٹھے تھے
یوں شام ہوئی پھر رات ہوئی، جب سیلائی گھر لوٹ گئے
کیا رات تھی وہ۔ جی چاہتا ہے اُس رات پہ لکھیں افسانا
اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا

ہاں عمر کا ساتھ نبھانے کے تھے ہمد بہت پیمان بہت
وہ جن پہ بھروسہ کرنے میں کچھ سود نہیں نقصان بہت
وہ نار یہ کہہ کر دُور ہوئی۔ 'مجبوری ساجن مجبوری'
یہ وحشت سے رنجور ہوئے اور رنجوری سی رنجوری؟
اُس روز ہمیں معلوم ہوا، اس شخص کا مشکل سمجھانا
اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا
گو آگ سے چھاتی جلتی تھی، گو آنکھ سے دریا بہتا تھا
برایک سے دکھ نہیں کہتا تھا، چپ رہتا تھا غم بہتا تھا

نادان ہیں وہ جو چھڑتے ہیں، اس عالم میں نادانوں کو
 اس شخص سے ایک جواب ملا، سب اپنوں کو بیگانوں کو
 دیکھ اور کہو تو سنتا ہوں۔ اس باب میں کچھ مست فرمانا،
 اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا

اب آگے کا تحقیق نہیں، گو سُننے کو ہم سُنتے تھے
 اُس نار کی جو جو باتیں تھیں، اُس نار کے جو جو قصے تھے
 اک شام جو اُس کو مگوا یا، کچھ سمجھایا بیچارے نے
 اُس رات یہ قصہ پاک کیا، کچھ کھا ہی لیا دکھیاے نے
 کیا بات ہوئی، کس طور ہوئی؟ اخبار سے لوگوں نے جاننا
 اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا

ہر بات کی کھوج تو ٹھیک نہیں، تم ہم کو کہانی کہنے دو
 اُس نار کا نام مقام ہے کیا، اس بات پہ پردا پہنے دو
 ہم سے بھی تو سودا ممکن ہے تم سے بھی جفا ہو سکتی ہے
 یہ اپنا بیاں ہو سکتا ہے، یہ اپنی کتھا ہو سکتی ہے
 وہ نار بھی آخر پچھتاٹی، کس کام کا ایسا پچھتا نا؟
 اس بستی کے اک کوچے میں، اک انشا نام تھا دیوانا

سب مایا ہے

سب مایا ہے، سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے
اس عشق میں ہم نے جو کھویا جو پایا ہے
جو تم نے کہا ہے، فیض نے جو فرمایا ہے
سب مایا ہے

ہاں گا ہے گا ہے دید کی دولت ہاتھ آئی
یا ایک وہ لذت نام ہے جس کا رسوائی
بس اس کے سوا تو جو بھی ثواب کمایا ہے
سب مایا ہے

اک نام تو باقی رہتا ہے، مگر جان نہیں
جب دیکھ لیا اس سودے میں نقصان نہیں
تب شمع پہ دینے جان پتنگا آیا ہے
سب مایا ہے

لے مایا، فریب، سراب

معلوم ہمیں سب قیس میاں کا قصہ بھی
سب ایک ہے، یہ رانجھا بھی یہ ارش بھی
فراد بھی جو اک نہر سی کھود کے لایا ہے
سب مایا ہے

کیوں درد کے نامے لکھتے لکھتے رات کرو
جس سات سمندر پار کی نار کی بات کرو
اُس نار سے کوئی ایک نے دھوکا کھایا ہے؟
سب مایا ہے

جس گوری پر ہم ایک غزل ہر شام لکھیں
تم جانتے ہو۔ ہم کیونکر اس کا نام لکھیں
دل اس کی بھی چوکھٹ چوم کے واپس آیا ہے
سب مایا ہے

وہ لڑکی بھی جو چاند نگر کی رانی تھی
وہ جس کی افسر آنکھوں میں حیرانی تھی
آج اُس نے بھی پیغام ہی بھجوا یا ہے
سب مایا ہے

جو لوگ ابھی تک نام و نشان کا لیتے ہیں
وہ جان کے دھوکے کھاتے، دھوکے دیتے ہیں
ہاں ٹھوک بجا کر ہم نے حکم لگایا ہے
سب مایا ہے

جب دیکھ لیا ہر شخص یہاں ہر جہائی ہے
اس شہر سے دور۔ اک کٹیا ہم نے بنائی ہے
اور اس کٹیا کے ماتھے پر لکھوایا ہے

سب مایا ہے

پھر شام ہوئی

پھیلنا پھیلنا شامِ عنم کا دُھواں
اک اُداسی کا تننا ہوا سائبان
اُونچے اُونچے مناروں کے سر پہ رواں
دیکھ پہنچا ہے آئندہ کہاں سے کہاں
جھانکتا صُورَتِ خیلِ آوارگاں
غُرفہ غُرفہ بہرہ کاخ و کو شہر میں

دفعۃً سیلِ ظلمات کو چیرتا
جل اُٹھٹا دُور بستی کا پسلا دیا
پہنچھیوں نے بھی کچھ پتہ کا رستہ لیا
خیر جاؤ عسزیزو — مگر دیکھنا
ایک جگنو بھی مشعل سی رے کے چلا
ہے اسے بھی کوئی جینتو شہر میں؟

آسماں پر رواں ہری بادلو
 ہاں تمھیں کیا اڑو۔ اور اُوپنچے اڑو
 باغِ عالم کے تازہ شگفتہ گلو
 بے نیازانہ مہکا کرو۔ خوش رہو
 لیکن اتنا بھی سوچا، کبھی ظالمو!
 ہم بھی ہیں عاشقِ رنگ و بو شہر میں

کوئی دیکھے یہ مجبوریاں دُوریاں
 ایک ہی شہر میں ہم کہاں تم کہاں
 دوستوں نے بھی چھوڑی ہیں دلداریاں
 آج وقفِ غمِ اُلفتِ رائیگاں
 ہم جو پھرتے ہیں وحشت زدہ سرگراں
 تھے کبھی صاحبِ آبرو شہر میں

لوگ طعنوں سے کیا کیا جتاتے نہیں
 ایسے راہی تو منزل کو پاتے نہیں
 جی سے اک دُسرے کو بھلاتے نہیں
 سامنے بھی مگر آتے جاتے نہیں

اور جائیں تو آنکھیں ملاستے نہیں
ہائے کیا کیا نہیں گفتگو شہر میں

چاند نکلا ہے داغوں کی مشعل لیے
دُور گر جا کے مینار کی اوٹ سے
”آمری جان آ — ایک سے دو بھلے
آج پھیرے کریں کوچہ یار کے
اور ہے کون درد آشنا باوئے!
ایک میں شہر میں، ایک تو تہہ میں“

پھر وہی دشت

ہو نہ دُنیا میں کوئی ہم سا بھی پیسا لوگو
جی میں آتی ہے کہ پی جائیں یہ دریا لوگو
کتنی اس شہر کے سخیوں کی سنی تھی باتیں
ہم جو آئے تو کسی نے بھی نہ پوچھا لوگو
اتفاقاً ہی سہی، پر کوئی در تو کھلتا
جھللاتا پس چلن کوئی سیا لوگو
سب کے سب مست ہے اپنے نہاں خانوں میں
کوئی کچھ بات مسافر کی بھی سُننا لوگو

ہوں گے اس شہر میں کچھ اس کے بھی ٹھہرنے والے
یوں تو یہ شخص بھی مشہور تھا خاصا لوگو
کسی دامن، کسی آبخیل کی ہوا تو ملتی؟
جب سہرا یہ داماندہ گرا تھا لوگو

ایک تصویر تھی، کیا جانئے کس کی تصویر
نقش موہوم سے، اور رنگ اڑا سا لوگو

ایک آواز تھی، کیا جانئے کس کی آواز
اُس نے آواز کا رشتہ بھی نہ رکھا لوگو

کچھ پتہ اس کا ہمیں ہو تو تمہیں بتلائیں
کون گھر؟ کون نگر؟ کون محلہ لوگو
چند حرفوں کا معما تھا وہ ابھبا سلجھا
اُس نے تو نام بھی پورا نہ بتایا لوگو

ہاٹے یہ درد کہ مشکل سے تھا تھا دل میں
چاند پونم کا ابھی سے نکل آیا لوگو؟

پھر وہی دشت، وہی دشت کی تنہائی ہے
وحشتِ دل نے کہیں کا بھی نہ رکھا لوگو
اُس میں ہمیت، تو درائے، اٹھا دے یہ جھار
اپنے گنبد میں تو در ہے نہ درِ چپہ لوگو
جی کی جی ہی میں رہیں حسرتیں طوفانوں کی
یہ سفینہ تو کنارے ہی پہ ڈوبا لوگو

آج کی ڈاک سے کیا کوئی لہفہ آیا؟
کیسی سرگوشیاں کرتے ہو اُسے کیا لوگو؟
کوئی پیغامِ زبانی بھی نہیں، کچھ بھی نہیں
ہم نے اپنے کو بہت دیر سنبھالا لوگو

بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں، پساریں پاؤں
غیر سی بند؟ ہمیں اب نہ اٹھانا لوگو
ایک ہی شبہ طویل، اتنی طویل، اتنی طویل
اپنے ایام میں امروز نہ نہ، لوگو

اب کوئی آئے تو کہنا کہ 'مسافر تو گیا'
یہ بھی کہنا کہ 'بھلا اب بھی نہ جاتا لوگو'
راہ نکلتے ہوئے چھرا سی گئی تھیں آنکھیں
آہ بھرتے ہوئے چھلنی ہوا سینہ لوگو
ہونٹ جلتے تھے جو لیتا تھا کبھی آپ کا نام
اس طرح اور کسی کو نہ سنانا لوگو

اک پتا، اک جوگی

پتہ کا نپا
ڈال سے ٹوٹا
جوگی کی جھولی میں گرا
اے جوگی تو کون ؟

کس جنگل سے آیا ہے تو؟
کس بستی کا جایا ہے تو؟
پتے میں کیا دیکھا تو نے
پتے کو کیوں چوما تو نے
کیوں اس کو سینے سے لگایا
کیوں یہ تیرنی گود میں آیا
نگری نگری گھومنے والے
اے جوگی — تو کون ؟

اے پتے، اے کانپتے پتے
کیوں یہ جوگی، رست جوگی

جس کی اپنی دُنیا ہوگی
 سِنپنوں میں کھویا ، متوالا
 بر میں کفنی ، کان میں بالا
 بستیوں سے بچتا کتراتا
 ویرانوں میں الکھ جگاتا
 اس اُجرڑی بگیب میں آیا
 جس بگیب میں دُھوپ نہ سایا
 کوئی پُرانی پیت نہا ہے ؟
 کیوں یہ ایک بچہ کو چاہے ؟
 اے پتے تو کون ؟

نا اپنے کو پتا جانے
 نا خود کو جوگی پہچانے
 دونوں پیاسے ، دونوں ہانپیں
 اک دُوبے کی گود میں کانپیں
 دونوں اک دُوبے میں سمائے
 کس سے پوچھیں ، کون بتائے ؟
 اے پتے تو کون ؟
 اے جوگی تو کون ؟

آتی ہے پون جاتی ہے پون

جو گن کا بسا کر بھیں پھرے
برہن ہے کوئی، چو دیں پھرے
سینے میں بیسے سینے کی دُکھن
آتی ہے پون، جاتی ہے پون

بھولوں نے کہا، کانٹوں نے کہا
کچھ دیر ٹھہر، دامن نہ چھڑا
پراس کا چلن، وحشی کا چلن
آتی ہے پون، جاتی ہے پون

اس کا تو کہیں مسکن نہ مکاں
آوارہ بہ دل، آوارہ بجاں
لوگوں کے ہیں گھر لوگوں کے وطن
آتی ہے پون، جاتی ہے پون

یہاں کون پون کی نگاہ میں ہے
وہ جو راہ میں ہے، بس راہ میں ہے
پر بت کہ نگر، صحرا کہ چمن
آتی ہے پون، جاتی ہے پون

رکنے کی نہیں جا، اٹھ بھی چکو
انشاجی چلو ہاں تم بھی چلو
ور ساتھ چلے دُکھت ہو امن
آتی ہے پون، جاتی ہے پون

یا تو یہ شخص

صبح کی پہلی کرن، اوس میں بھیگی، مسمیٰ
ہم سے کہتی ہے اُسے جاگ، زما نا جاگا

آج کیا اُس کی نظر میں تھی لگاؤ کی؟
یہ جو پسنا ہے ان آنکھوں میں، سہانا جاگا

یا کسی دُور کے صحرا کا بِلدا واپاکر
جی میں ہے اور بھٹکنے کا بہانا جاگا

محمولوں والو کوئی دیر رکو تو۔ دیکھو
کس سے خوشبوئے فنا یا کے دوانا جاگا

ہر طرف چیر گیا وقت کے سناتے کو
صرصر عشق کا وہ شور پُرانا جاگا

خیر اب خارِ مغیلاں ہی کو مژدہ - یعنی
قسمتِ قیس ہے پھر دشتِ تننا لوگو

یہ اُسی گیت کی بخشش ہے کہ نب ہم نے سنا؟
وہ دُوبے نام کہ تھا مے نہیں تھمتا لوگو

رشتہ جذب میں زنجیر تو کرنا چاہیں
پر یہ موتی کہ رہے دورِ دلکت لوگو

یا تو یہ شخص سراپوں کا سادھو کا ہو گا
یا کوئی مالِ سمندر سے بھی گہرا لوگو

اے سُورج کی دوشیزہ کرن

اے سُورج کی دوشیزہ کرن
تم نے تو کہا تھا آؤگی
یہ اندھی کالی راتوں کا
سب چیر اندھیرا آؤگی
ہاں سے کے سویرا آؤگی

ہم شب بھر جاگے، بیٹھ رہے
جب اُس نے چادر پھیلائی
جب چاند نے جھلکی دکھلائی
جب انبر پر تارے چمکے
جب جنگل میں جگنو دسکے
اور بادل بادل گھبرا آئی
اک ظالم ظالم تنہائی

پھر ہم نے اک سپنا دیکھا
پھر ہم نے اک دھوکا کھایا
اے سورج کی دوشیزہ کرن

تم کون سے درد کا دریا تھیں
تم آتیں تو کیسا بجھ جاتی؟
یہ پیاس ہمارے ہونٹوں کی
یہ پیاس ہمارے سینے کی
یہ پیاس بدن کی چاہت کی

تم آجائیں تو کیا ہوتا؟
دل پھر بھی یونہی تنہا ہوتا
ان پیاسوں کا پیاسا ہوتا
یہ جیسا ہے ویسا ہوتا

یا ممکن ہے انتا ہوتا
یہ تم سے لپٹ ر دیا ہوتا
اے سورج کی دوشیزہ کرن

کل ہم نے سپنا دیکھا ہے

کل ہم نے سپنا دیکھا ہے
جو اپنا ہو نہیں سکتا ہے
اُس شخص کو اپنا دیکھا ہے

وہ شخص کہ جس کی خاطر ہم
اس دیں پھریں، اُس دیں پھریں
جوگی کا بست کر بھیس پھریں
چاہت کے نرالے گیت لکھیں
جی موہنے والے گیت لکھیں
دھرتی کے ہکتے بانگوں سے
کلیوں کی جھولی بھر لائیں
انبر کے سجیلے منڈل سے
تاروں کی ڈولی بھر لائیں

ہاں کس کے لیے سب اُس کے لیے
 وہ جس کے لب پر ٹیسو ہیں
 وہ جس کے نیناں آہو ہیں
 جو خار بھی ہے اور خوشبو بھی
 جو درد بھی ہے اور دارو بھی
 وہ اٹھڑسی ، وہ چنچل سی
 وہ شاعر سی ، وہ پاگل سی
 لوگ آپ ہی آپ سمجھ جائیں
 ہم نام نہ اُس کا بتلائیں

اے دیکھنے والو تم نے بھی
 اُس نار کی پیت کی آنچوں میں
 اس دل کا تینا دیکھا ہے؟
 کل ہم نے سپنا دیکھا ہے

کیا دھوکا دینے آؤگی

ہم بنجارے دل والے ہیں
اور پیٹھ میں ڈیرے ڈالے ہیں
تم دھوکا دینے والی ہو؟
ہم دھوکا کھانے والے ہیں
اس میں تو نہیں شر ماؤگی؟
کیا دھوکا دینے آؤگی؟

سب مال نکالو، سے آؤ
اے بستی والو، سے آؤ
یہ تن کا جھوٹا جادو بھی
یہ من کی جھوٹی خوشبو بھی
یہ تال بناتے آنسو بھی
یہ جال بچھاستے گیسو بھی

یہ لرزش ڈالتے سینے کی
پر سچ نہیں بولتے سینے کی
یہ ہونٹ بھی، ہم سے کیا چوری
کیا سچ مچ جھوٹے ہیں گوری؟
ان رمزوں میں ان گھاتوں میں
ان وعدوں میں ان باتوں میں
کچھ کھوٹ حقیقت کا تو نہیں؟
کچھ میل صداقت کا تو نہیں؟
یہ سارے دھوکے لے آؤ
یہ پیارے دھوکے لے آؤ
کیوں رکھو خود سے دُور ہمیں
جو دام کہو منظور ہمیں

ان کانچ کے منکوں کے بدلے
ہاں بولو گوری کیسا لوگی؟
تم ایک جہان کی اشرفیاں؟
یا دل اور جان کی اشرفیاں؟

وہ ایک کلی، چنبیلی کی

وہ ایک کلی، چنبیلی کی
جو تم نے کہا ہٹا بھیج دو گی
اے کاش تم آکر دیکھ سکو
وہ ہم کو کتنی پیاری ہے

ہم اس کو پا کر جھومتے ہیں
ہم اس کو کیا کیا چومتے ہیں
ہاں اس میں تمہاری رنگت ہے
ہاں اس میں تمہاری صوت ہے
تم اس کی خوشبو میں گم ہو
یہ کلی نہیں ہے، یہ تم ہو

یہ خوشبو اب نہیں جا سکتی
یہ کلی نہیں مڑجھتا سکتی
یہ دل کہ بیاض ہماری ہے
ہم اس کے صفحوں میں اس کو
رکھیں گے اور چھپا لیں گے
یہ خوشبو دل میں بسا لیں گے

اب بھیجو میری جان کلی
چنبیلی کی
جو تم نے کہا ہوتا بھیجو گی
ان اپنے کلیوں سے کوئل
ہونٹوں سے لگا کر بھیجو گی

یہ کون آیا

انشاجی یہ کون آیا، کس دیس کا باسی ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے آنکھوں میں اُداسی ہے
خوابوں کے گلستاں کی خوشبوئے دلا آ ہے
یا صبح تمنا کے ماتھے کا ستار ہے
ترسی ہوئی نظروں کو اب اور نہ ترسارے
اے حسن کے سوداگر، اے روپ کے بنجارے
رمنا دلِ انشا کا اب تیرا ٹھکانا ہو
اب کوئی بھی صورت ہو، اب کوئی بہانا ہو

خاکستِرِ دل کو ہے پھر شعلہ بجایا ہونا
حیرت کا جہاں ہونا، حسرت کا نشاں ہونا

اے شخص جو تو آکر یوں دل میں سمایا ہے
تو درد کہ درماں ہے، تو دھوپ کہ سایا ہے؟
غناں ترے جادو ہیں، گیسو ترے خوشبو ہیں
باتیں کسی جنگل میں بھٹکا ہوا آہو ہیں
مقصودِ وفا سُن لے، کیا صاف ہے سادہ ہے
جینے کی تمنا ہے، مرنے کا ارادہ ہے

یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں

یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں، یہ لوگوں نے پھیلائی ہیں
تم انشا جی کا نام نہ لو، کیا انشا جی سودائی ہیں؟

ہیں لاکھوں روگ زمانے میں، کیوں عشق ہے رُسوا بیچارا
ہیں اور بھی وجہیں وحشت کی، انسان کو رکھتیں دُکھیارا
ہاں بے کل بے کل رہتا ہے، ہو پیت میں جس نے جی ہارا
پر شام سے لے کر صبح تک یوں کون پھرے گا آوارہ؟
یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں، یہ لوگوں نے پھیلائی ہیں
تم انشا جی کا نام نہ لو، کیا انشا جی سودائی ہیں؟

یہ بات عجیب سناتے ہو، وہ دُنیا سے بے آس ہوئے
اک نام سنا اور غش کھایا، اک ذکر پہ آپ اُداس ہوئے

وہ علم میں افلاطون سُنے ، وہ شعر میں تلسی داس ہونے
 وہ تیس برس کے سوتے ہیں وہ بی۔ اے ایم۔ اے پاس ہوئے
 یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں ، یہ لوگوں نے پھیلانی ہیں
 تم انشا جی کا نام نہ لو ، کیا انشا جی سودائی ہیں ؟

گر عشق کیا ہے تب کیا ہے ، کیوں شاد نہیں آباد نہیں
 جو جان لیے بن تل نہ سکے یہ ایسی بھی اُفتاد نہیں
 یہ بات تو تم بھی مانو گے وہ قیس نہیں منہ باد نہیں
 کیا خبر کا دار و مشکل ہے ؟ کیا وصل کے نسخے یاد نہیں ؟
 یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں یہ لوگوں نے پھیلانی ہیں
 تم انشا جی کا نام نہ لو ، کیا انشا جی سودائی ہیں ؟

وہ رُک کی اچھی لڑکی ہے ، تم نام نہ لو ہم جان گئے
 وہ جس کے لائے گیسو ہیں ، پہچان گئے پہچان گئے
 ہاں ساتھ ہمارے انشا بھی اس گھر میں تھے مہمان گئے
 پر اس سے تو کچھ بات نہ کی انجان رہے انجان گئے
 یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں یہ لوگوں نے پھیلانی ہیں
 تم انشا جی کا نام نہ لو ، کیا انشا جی سودائی ہیں ؟

جو ہم سے کہو ہم کرتے ہیں، کیا انشا کو سمجھانا ہے؟
اُس لڑکی سے بھی کہہ لیں گے، گواہ کچھ اور زمانا ہے
یا چھوڑیں یا تکمیل کریں، یہ عشق ہے یا افسانا ہے؟
یہ کیسا گورکھ دھندا ہے، یہ کیسا تانا بانا ہے؟
یہ باتیں کیسی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
تم انشا جی کا نام نہ لو، کیا انشا جی سودائی ہیں؟

یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں

یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں، یہ لوگوں نے پھیلائی ہیں
تم انشا جی کا نام نہ لو، کیا انشا جی سودائی ہیں؟

ہیں لاکھوں روگ زمانے میں، کیوں عشق ہے رُسوا بیچارا
ہیں اور بھی وجہیں وحشت کی، انسان کو رکھتیں دُکھیارا
ہاں بے کل بے کل رہتا ہے، ہو پیت میں جس نے جی ہارا
پر شام سے لے کر صبح تک یوں کون پھرے گا آوارہ؟
یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں، یہ لوگوں نے پھیلائی ہیں
تم انشا جی کا نام نہ لو، کیا انشا جی سودائی ہیں؟

یہ بات عجیب سناتے ہو، وہ دُنیا سے بے آس ہوئے
اک نام سنا اور غش کھایا، اک ذکر پہ آپ اُداس ہوئے

تو کہاں چلی گئی تھی

ترا بے مترار انشا	تو کہاں چلی گئی تھی
تری یاد میں سلگتا	تری جستجو میں حیراں
کبھی سونے کوہ و صحرا	کبھی بستیوں بنوں میں
کبھی بے کسانہ تنہا	کبھی شورشوں میں کھویا
بنا آرزو سراپا	لیے دید کی تمنا
تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ ہارا	تجھے ہر جگہ پکارا

تو کہ رُوحِ زندگی تھی

تو کہاں چلی گئی تھی

(۲)

مری حسرتوں کی دلی	مری حیرتوں کا روم
مرا بلیغِ کراچی	میری وحشتوں کا صحرا
یہی دے تو دے گواہی	مجھے اور کون جانے
یہاں ہر گلی بھری تھی	کہ حسین صورتوں سے

مگر ایک یہ دوانا ترا وحشی یگانا
 جسے زندگی گوارا کہ ہے پیت کا بہانا
 کبھی چھوڑ کے گیا ہے ترا آستان پرانا
 جہاں اول جوانی سرِ محفلِ شبانہ

کبھی تو اسے ملی تھی
 تو کہاں چلی گئی تھی

(۳۳)

کبھی ساونوں سے پُچھو کبھی پھاگنوں سے پُچھو
 تھا جو حال موسموں کا تھا جو رنگ و ہشتوں کا
 کبھی یاس کے جلو میں کبھی آس کے جلو میں

نہ وہ محفلِ شبانہ
 نہ کہیں کا آنا جانا

پرے سات ساگروں کے جہاں لوگ ہیں انوکھے
 ہمیں جی سے یوں آتارا ہمیں یاد سے بھارا
 یہاں لوٹ کے بھی جانی نہ ملن ہوا گوارا

یہ جو ماہ و سال گزرے
بہ عجیب حال گزرے

تجھے یاد تو دلائیں تجھے یاد بھی تو آئیں
کبھی عہد جو کیے تھے ہمیں قول جو دیے تھے
کبھی کانپتے لبوں سے کبھی اشک کی زباں میں

کسی گنج گلستاں میں
کسی کوئے رہرواں میں
کسی دوست کیجے مرکاں میں

(۴۱)

تیری زندگی سلامت مگر ایک روز جانی
ترا ساتھ چھوڑ دے گی تری بے اماں جوانی
ترا روپ چھین لے گی مہ و سال کی گرانی
ترے گیسوؤں کی چاندی بزبان بے زبانی

جو سنائے گی کہانی
ڈھلی شام زندگانی

تو یہ بے وفا زمانہ ترے جی پہ بار ہوگا
نہ دلوں کی قسمتوں پر تجھے اختیار ہوگا

نہ جہان محفلوں میں ترا انتظاں ہوگا
نہ کوئی وفا کا خواہاں نہ گلہ گزار ہوگا

مگر ایک یہ دوانا یہ پرانا پیت روگی
ترے نام پہ بنا ہے جو کوی، فقیر، جوگی
تجھے ڈھونڈتا ملے گا تجھے جستجو جو ہوگی

کبھی بستیوں بنوں میں
کبھی سوتے کوہ و صحرا
تری جستجو میں حیراں
تری یاد میں سلگتا
یوں ہی شورشوں میں کھویا
یوں ہی بیکساں تنہا
عسیم عاشقی نبھاتا
یہ اُداس گیت گاتا

مری شاعری کی رانی
مری حاصل جوانی
مری حباں زندگانی
تو کہاں چلی گئی تھی
تو کہاں چلی گئی تھی

کبت

جے تو جلاؤ گوری پیت کا الاؤ گوری
ابھی نہ بھجاؤ گوری ابھی سے بھجاؤ نا

پیت میں بجوگ بھی ہے کا منا کا سوگ بھی ہے
پیت بُرا روگ بھی ہے لگے تو لگاؤ نا

گیسوؤں کی ناگنوں سے بیرنوں ابھاگنوں سے
بجوگنوں براگنوں سے کھیلتی ہی جاؤ نا

ماشتقوں کا حال پوچھو کرو تو خیال۔ پوچھو
ایک دو سوال پوچھو بات جو بڑھاؤ نا

راست کو اُداس دیکھیں چاند کو نراس دیکھیں
تمہیں نہ جو پاس دیکھیں آؤ پاس آؤ نا

زوپ رنگ مان دے دیں؟ جی کا یہ مکان دے دیں
کہو تمہیں جان دے دیں؟ مانگ لو، لجاؤ نا

اور بھی ہزار ہوں گے جو کہ دعویدار ہوں گے
آپ پہ نثار ہوں گے کبھی آزماؤ نا

شعر میں نظیر ٹھہرے جوگ میں کبیر ٹھہرے
کوئی نئے فقیر ٹھہرے اور جی لگاؤ نا!

سُکھ چاہو تو...

فرش پہ بیٹھے اک جوگی نے عرش کے چاند پہ ہارا جی
شعر ہمارے سننے والو۔ رکھیو جان سے پیارا جی
ہر بستی ہر گھر پر چینل چاند نے چہرا چمکایا
اس جوگی کے حصے میں پر گھور اندھیرا ہی آیا
متوالے نے سینوں کے تاگوں کی چادر پھیلائی
اُجیارا تو کیا ملتا۔ جگ نے ٹھہرایا سوڈائی
یاروں نے سوسو جتنوں سے سمجھایا ناکام ہوئے
جوگی جی دامن ہی دامن پھیلائے بدنام ہوئے
دُور افق پر چند ایل بھر ٹھٹکا، ہنس کر ڈوب گیا
انشا (ہاں وہ رہتا جوگی) دُنیا سے محبوب گیا

اب لوگو بتلاؤ۔ سُکھ میں اچھایا دکھیا را جی؟
سُکھ چاہو تو پیت نہ کیجو۔ رکھیو جان سے پیارا جی

اپنا اپنا چاند

اک چاند پُرانا صدیوں کا جس چاند کے پیٹ میں تارا ہے
اک چاند زمیں کے لوگوں نے افلاک پہ آج اُبھارا ہے
اُس چاند کا چہرہ اُجلا ہے، اُس چاند کا رتبہ عالی ہے
اِس چاند میں بھی نِں لاکھوں ہیں، اِس چاند کی بٹیپ نِزالی ہے
اُس چاند کے لبھی دیوانے، اُس چاند کے آٹھے لگاتے ہیں
اِس چاند چراغ کے پروانے، اِس چاند کی عید مناتے ہیں
تم چاند نگر کے انشا جی، کس چاند کے عاشق ہوتے ہو؟
کس چاند پہ جی کو کھوتے ہو، کس چاند کو شب کو روتے ہو؟

جب من کے لگن کے سنگن میں اندھیا رہی اندھیا رہا تھا
ہم پیت نگر کے لوگوں نے اک روپ کا چاند اُبھارا تھا

۱۔ یہ نظم ۳ اکتوبر، ۱۹۵۵ء کو لکھی گئی۔ "بیپ بیپ" مصنوعی چاند کا سنگن ہے۔

ناکسرت ہے، ناپتھر ہے، نالوہا ہے، ناپتیل ہے
 ناچاند وہ گھلی چاندی ہے، ناچاند وہ سونا شیتل ہے
 اک گوری تھی البیلی سی، مدامتی چھیل چھیلی سی
 تھی جس کی چال نشلی سی، تھی جس کی بات رسیلی سی
 وہ پیت لگا کر توڑ گئی، ہاں کہنے کو منہ موڑ گئی
 تن من کے تار جھنجوڑ گئی، سو یادیں جی میں چھوڑ گئی
 اس من کی اندھیری راتوں میں اُن یادوں کا اُجیالا ہے
 یہ چاند کہ اُودا کا لا ہے، ہر شام نکلنے والا ہے

یہ چاند لگائے سینے سے، یہ چاند سمٹے دامن میں
 ہم جوت جگاتے پھرتے ہیں پرست ساگر بستی بن میں
 ہر شعر پہ شور مٹا اٹھتا ہے، ہر گیت پہ دیپ سا جلتا ہے
 جب رات کو من کی محفل میں اُس چاند کا چہرہ چلتا ہے
 وہ چاند کہ ڈو میں گھنائیں، وہ چاند کہ آئینہ جل جائیں
 جس چاند سے ہم کو نسبت ہے، اُس چاند کے آگے کب آئیں
 پر لوگوں کو مور کھو دیوانو، یہ بات بھی مسم سے کیوں پوچھو
 جس چاند کی جس کو وحشت ہو، جس چاند کا جس کو سودا ہو
 بس بات ہے پیت نبھانے میں، اک چاند پہ جان سے جا نہیں
 جب ایک نہیں جب دو بھی نہیں، جب لاکھ ہوں چاند زمانے میں

طاشیل : خندا

ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے

بے شک یہ بیاض تمھاری ہے
اور ہم بھی تمھارے ہیں — لیکن
(یا تھے — لیکن)

ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے

ہم لکھیں اس پر نام؟ — نہیں!

پیغام؟ — نہیں!

اشعار؟ — نہیں!

سرکار؟ — نہیں!

ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے

دل کا جو تمہارے صفحہ ہے
وہ آج جو بالکل سادہ ہے
اُس پر بھی تو لکھا تھا ہم نے
اک نام ، کبھی !
پیغام ، کبھی !
اشعار ، کبھی !
سرکار ، کبھی !

وہ صفحہ تم نے دھو ڈالا
وہ صفحہ بالکل سادہ ہے

اب کاغذ کے اس صفحے کو
کیوں لا کر آگے رکھتی ہو
کیوں نام ، پیغام ، اشعار لکھیں
ہم لوگ تو جو سرکار لکھیں
اک بار لکھیں

ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے

اک بار کہو تم میری ہو

ہم گھوم چکے بستی بن میں
اک آس کی پھانس لیے من میں
کوئی سا جن ہو، کوئی پیارا ہو
کوئی دیپاک ہو، کوئی تارا ہو
جب جیون رات اندھیری ہو

اک — بار کہو تم میری ہو

جب سادہ بادل پھٹے ہوں
جب چاکن ٹپول کھلائے ہوں
جب چندا روپ لگاتا ہو

جب سُورج دُھوپ نہاتا ہو
یا شام نے بستی گھیری ہو
اک۔ بار کہو تم میری ہو

ہاں دل کا دامن پھیلا ہے
کیوں گوری کا دل میلا ہے
ہم کب تک پیت کچے دھوکے میں
تم کب تک دُور جھروکے میں
کب دید سے دل کو سیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

کیا جھگڑا سُود خاں سے کا
یہ کاج نہیں بنجارے کا
سب سونا روپا لے جائے
سب دُنیا، دُنیا لے جائے
تم ایک مجھے ہتھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

ایک لڑکا

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
ایک میلے میں پہنچا ہمکرتا ہوا
جی مچتا تھا ایک ایک شے پر مگر
جیب خالی تھی کچھ مول لے نہ سکا
لوٹ آیا لیے حسرتیں سینگڑوں
ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں

خیر خرمیوں کے وہ دن تو گئے
آج میلہ لگا ہے اسی شان سے
آج چاہوں تو اک اک دکان مول لوں
آج چاہوں تو سارا جہاں مول لوں
نارستانی کا اب جی میں دھڑکا کہاں؟
پر وہ چھوٹا سا، اٹھڑ سا لڑکا کہاں؟

دل آشوب

یوں کہنے کو راہیں ملکِ وفا کی اُجال گیا
اک دُھندلی جس راہ میں پیکِ خیال گیا
پھر چاند ہمیں کسی رات کی گود میں ڈال گیا

ہم شہر میں ٹھیریں، ایسا تو جی کاروگ نہیں
اور بن بھی ہیں سونے، ان میں بھی ہم سے لوگ نہیں
اور کوچے کو تیرے نوٹنے کا تو سوال گیا

ترے لطف و عطا کی دُھوم سہی محفل محفل
اک شخص تھا انشا نامِ محبت میں کامل
یہ شخص یہاں پامال رہا، پامال گیا

تری چاہ میں دیکھا ہم نے بحالِ خرابِ اسے
پر عشق و وفا کے یاد رہے آدابِ اسے
ترا نام و مقام جو پوچھا، ہنس کر ٹال گیا

اک سال گیا، اک سال نیا ہے آنے کو
پر وقت کی بھی اب ہوش نہیں دیوانے کو
دل ہاتھ سے اس کے وحشی ہرن کی مثال گیا

ہم اہلِ وفا رنجور سہی، مجبور نہیں
اور شہرِ وفا سے دشتِ جنوں کچھ دُور نہیں
ہم خوش نہ سہی، پر تیرے تو سر کا وبال گیا

اب حُسن کے گرٹھ اور شہرِ پناہیں سُونی ہیں
وہ جو آشنا تھے اُن سب کی نگاہیں سُونی ہیں
پر تو جو گیا ہر بات کا جی سے ملال گیا

اُسی چاند کی کھوج میں

اُس چاند کا دُور نگر میں سیرا رہنے لگا
پھر شام سے اپنے من میں اندھیرا رہنے لگا
اُجڑی ہوئی گلیاں، چپ چپ پڑتانا لگے
دُکھی جی کے بہنے کے سائے بہانے ٹھکانے لگے
بڑا تاروں بھرا سہی، خوب با سہی نیل لگن
اُسی چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من

یہاں رُپ بھی ہے یہاں رنگ بھی ہے یہاں راگ بھی ہے
سب کچھ ہے مگر اس دل میں بھوک کی آگ بھی ہے
اِس آگ کی آئینچ پہ خود کو ہمیشہ جلایا کریں
ہم صبح تلک یوں رات کا ساتھ نبھایا کریں

اس آگ کے ہاتھوں اُجڑے نگر، آباد ہیں بن
کیوں چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من

دل آپ ہی آپ میں گھلتا رہے فریاد کرے
کیا قول و قرار ہوئے تھے کہاں تک یاد کرے
جب ہم نے کہا تھا 'دیکھنا بھول نہ جانا ہمیں'
بھلا کس نے کہا تھا 'سمجھو نہ تم بیگانا ہمیں'
ہمیں یاد رہا تمہیں یاد نہیں وہ ایک بچن
یہاں چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من

اک گوری نے چاہ کی راہ میں لا کر چھوڑ دیا
بڑا قہر کیا بھری زندگی کا رخ موڑ دیا
سو روپ یہاں، ہر روپ کی ایک عجب بھلکی
کسی اور میں لیکن بات کہاں اُس حنچل کی
جس چاند نے جیون رات کو بخشی ایک کرن
اُس چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من

اب خط نہ سندھیہ، باتیں نہ وہ ملاقاتیں ہیں
بس جلتے سلگتے دن ہیں تو بے کل راتیں ہیں

اور دل کا یہ حال کہ اور کڑھے سمجھانے پر
ہم آپ بہت حیران ہیں اس دیوانے پر
اس من کو لگا اندر بھی گہن ، باہر بھی گہن
کیوں چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من

وہ جو آخری تحفہ آئی تھیں کلیاں بیلے کی
اک رات میں جو مر جھانی تھیں کلیاں بیلے کی
اُن کلیوں میں وہ بوباس کہاں سب کہتے ہیں
ہم اُن کو مگر سینے سے لگائے رہتے ہیں
جب چاہیں انہی کی سیر کریں ، یہی اپنا چمن
اُسی چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من

ہر شام یہاں کسی دیس کے پنچھی آیا کریں
پل بھر نہ رکیں ، کسی دیس نئے چلے جایا کریں
کبھی اُن سے جو پوچھیں سجن کا پتہ ، کچھ اس کی خبر
کہیں ”ہم تو میاں بھی کوٹ پھریں“ کریں روز سفر
یہاں کون سجن ، یہاں کس کا سجن ، یہاں کیسا سجن ؟
کیوں چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من“

جب چیت مہنے پنیٹ لگے بختاروں کی
 ان دیس دیس کے ایلچیوں ہسکاروں کی
 انھیں میت بنا ہی بات جو پوچھیں کچھو آئیں
 یہ لوگ بھی یک دم جی کو مسوس کے رہ جائیں
 ”بڑی دُور رہا ترے پی کا نگر، رہ اس کی کھٹن
 کیوں چاند کی کھوج میں کھویا ہے بھٹکا ہوا من“

کبھی پوچھیں ست چکور، پیسے پاگل سے
 کبھی متوالی گھٹنگور گھٹا کے بادل سے
 کبھی جنگل کے ہرنوٹوں، بن کی بیلوں سے
 کبھی پیروں، مست فقیروں، گوروؤں چیلوں سے
 ”کس طور بنے اس پی کا ملن، کریں کون جتن؟
 اسی چاند کی کھوج میں کھویا رہے بھٹکا ہوا من“

اس کھیل میں ہاں ہم ہار گئے، وہی جیت گئے
 وہ جو دُور بھلا کر بیت گئے، جگ بیت گئے
 اب جیتے ہیں پر اس زندگی میں کوئی رنگ نہ رُس
 سکھ چین کی ایک گھڑی کو گئی ہے یہ جان ترس

بڑے خوب ہیں لوگ کہ خوش ہیں سدا اور خود میں مگن
یہاں چاند کی کھوج میں کھویا رہے بھٹکا ہوا من

اے دوستو تم ہمیں دیکھنے نیت یہاں آیا کرو
اُس بیری سخن کو بھی جا کے کبھی سمجھایا کرو
ہر روگ کا ایک علاج ہے رکھا قدرتنے
ہر چیز جڑے، ہر چاک سِلے، ہر بات بنے
پر دل کے نیگن کو تو بہت ہے ایک ہی چھن
بس چاند کی کھوج میں کھویا رہے بھٹکا ہوا من

پڑا غزلوں کی نیویں اُٹھاتا ہے بے بچارا کوئی
دکھی گیتوں کے دیپ جلاتا ہے بے بچارا کوئی
پرس کا قصور ہے۔ ہم نے تو اس کو تھا سمجھایا
کوئی اس سے یہ پوچھے پیت میں تم نے کیا پایا؟
جُز ایک لگن، جُز ایک جِلن، جُز ایک دُکھن
کیوں چاند کی کھوج میں کھویا رہے بھٹکا ہوا من

لے چلی جی کی بے قراری دُور

لے چلی جی کی بے قراری دُور
ہم سمجھتے تھے اپنی باری دُور
دوستو منزلیں ہماری — دُور

بھیس کیا کیا بھریں جنوں ساماں
(شہر، گلشن، محل سرا، زنداں)
شام کو اپنے شہر کی گلیاں

چاند بھی صورتِ کتاں صد چاک
چاندنی بھی فسردہ و غمناک
جی میں آتی ہے لوٹے سرخاک

مضمحل مضمحل ستارے بھی
دشتِ افلاک کے چکارے بھی
آخر اک سمت کو سدھارے بھی

راہِ جاناں میں جاں سپار ہیں لوگ
ہجرِ جاناں میں بے قرار ہیں لوگ
پھر بھی ہم سے خرابِ خوار ہیں لوگ؟

چاند میں کچھ خیال کرتے ہیں
اپنا جینا و بال کرتے ہیں
میر صاحب کمال کرتے ہیں

کیوں ٹھہر سا گیا ہے وقت میاں؟
اور کتنے دوازدہ کے نشان
اور کتنی مسدق کی گھڑیاں؟

جھلسی سی اک بستی میں

ہاں دیکھا کل ہم نے اُس کو دیکھنے کا جسے اہاں تھا
وہ جو اپنے شہر سے آگے، قریہ باغ و بہاراں تھا

سوچ رہا ہوں جنگ سے پہلے، جھلسی سی اس بستی میں
کیسا کیسا گھر کا مالک، کیسا کیسا مہماں تھا
سب گلیوں میں ترنجن تھے اور ہر ترنجن میں سکھیاں تھیں
سب کے جی میں آنے والی کل کا شوقِ سراواں تھا
میلوں ٹھیلوں باجوں گاجوں باراتوں کی دھومیں تھیں
آج کوئی دیکھے تو سمجھے، یہ تو سدا بیا باں تھا
چاروں جانب ٹھنڈے چولھے، اُجڑے اُجڑے آنکھیں ہیں
ورنہ ہر گھر میں تھے کمرے، ہر کمرے میں سماں تھا

اُجھلی اور پُر نور شبیہیں روزِ نماز کو آتی تھیں
مسجد کے ان طاقوں میں بھی کیا کیا دیا مسدوداں تھا
اُجڑی منڈی، لاغر کُتے، ٹوٹے کھجے، خالی کھیت
کیا اس نہر کے پُل کے آگے ایسا شہرِ غموشاں تھا؟

آج کہ اک روٹی کی خاطر کارڈ دکھاتا پھرتا ہے
پوئے کمپ کو روٹی دے دے ایسا ایسا دہتھاں تھا
تاب نہیں ہر ایک سے پوچھیں۔ بابا تجھ پر کیا گزری
ایک کو روک کے پوچھا ہم نے، سینہ اُس کا بریاں تھا
بولا۔ لوگ تو آئیں جائیں بستی کو پھر بسنا ہے
میرے ہی تنگوں کی خاطر آیا سارا طوفاں تھا
آگ کے اندر اور تپش ہے، آگ کے باہر اور ہی آہٹ
شاید کوئی دوانا ہوگا! بے شک چاک گریباں تھا

ایک اور ہنرمیت

ہم یہ سمجھے تھے ترا درد گوارا ہو گا
تو وہ افسانوں کا محبوبِ دلارا ہو گا
تیرے کوچے سے جو گزرے گا مسافر کوئی
اس کو غروں سے توقف کا اشارا ہو گا
تیرے کوچے میں بڑی منزلیں آساں ہوں گی
تیرے کوچے میں غریبوں کا گزارا ہو گا

نکر کچھ ہفتی بھی تو اب چھوڑ چکے ہیں انشا
لوگ پوچھا کریں آکے دلِ بے ار کا حال
کل تک اپنا بھی یہ عالم تھا بقولِ شاعر
یادِ ماضی سے غمیں، وحشتِ فردا سے نڈھال
اب مگر کھوے گئے دشتِ فراموشی میں
دوش و امروز کی آوارہ امنگوں کے غزال

یوں تو اس راہ میں تنہا بھی نہیں تھے ہر دم لوگ
 عشق جس نے بھی کیا ایسا ہی کھایا گھاؤ
 جانے اس دشت سے کس کس کی صدا آتی ہے
 'میری ہیلن - مری شیریں - مری تائیس آؤ!'
 ہم نے پہلے سے مگر دل کو یہ سمجھایا تھا
 'دوست یہ مرحلہ دشوار ہے دیکھو بچ جاؤ'

قائد شوق کا نکلا تھا بڑی سچ دھج سے
 کتنے خوش فہم تھے دوشیزہ امیدوں کے نجوم
 کس کو آغا ز سفر میں یہ خبر ہوتی ہے
 مرگ گناہی مقتدر ہے کہ منزل مقسوم
 عشق کے برج کی سرحد میں پہنچ کر اکثر
 اپنی رفتار بدل لیتے ہیں قسمت کے نجوم

یار اپنے انہی راہوں سے گئے تھے لیکن
 اُن کے قدموں کو بھی دھندلا گیا صدیوں کا غبار
 اُن کے سودائے سیاحت کی اڑانیں تھیں ہی
 یہی گمشدہ، یہی غنچے، یہی صحرا، یہی خار

اب تو کچھ نام ہی باقی ہیں سو وہ بھی کیا ہیں
جانے کن ریت کے تودوں میں بنے آنکھ مزار

بے ستوں وحشت فرہاد کا دریاں نہ بنا
نیت نئے چاہنے والوں سے بسا ساحلِ نیل
جھاگئے وادیِ یونان پہ عشاق نئے
مرگِ یک شخص نہیں آمدِ محشر کی دلیل
آج ماضی کے خرابوں میں پڑے سوتے ہیں
عہدِ رفتہ کے فسانوں کے وہ قاتل وہ قاتل

آج ہم اُن کے لیے باعثِ رسوائی ہیں
اُن کو شکوہ ہے کہ ہم نے انہیں چاہا کیوں تھا
اب بھری بزم میں مہوتی ہیں ہماری باتیں
یوں بہ عنوانِ محبت ہمیں دیکھا کیوں تھا
اُن سے رسماً بھی شکایت ہمیں منظور نہیں
ورنہ پوچھیں کسی گرتے کو سنبھالا کیوں تھا

اب شکایات و سوالات سے کیا حاصل ہے
دکس لیے دل کو سرِ زلفِ دوتا باندھا ہوتا

دُٹم کو انجامِ محبت کی خبر تھی کہ نہیں؟
 دُٹم نے کیا سوچ کے پیمانِ وفا باندھا تھا؟
 دُھج کر کو وقفِ نصیبِ دُگراں سمجھے تھے؟
 دُکیوں فقط اپنے ہی نالے کو رسا باندھا تھا؟

اب نگاہوں میں نہ خواہش ہے نہ حسرت نہ ملال
 اب یہاں لب پہ کہاں حرفِ سوال آتا ہے
 ہم نے اپنے کو بہت دیر سنبھالا لیکن
 دل ہے - پتھر تو نہیں اس میں تو بال آتا ہے
 اب ہمیں کس کی محبت کا یقین آئے گا
 اُن کی بیزار نگاہوں کا خیال آتا ہے

اب سے وارستہ طبیعت پہ بھی قدغن ہوگی
 اب خیالوں پہ بھی پیرا سا رہے گا کچھ روز
 بیٹھ جائے یں بگولوں کی چپستی ہوئی گرد
 سُونی راہوں میں دُھند لکا سا رہے گا کچھ روز
 قافلے تازہ سیاحت پہ روانہ ہوں گے
 یہ مسافر ابھی ٹھنکا سا رہے گا کچھ روز

دل پیت کی آگ میں جلتا ہے

دل پیت کی آگ میں جلتا ہے، ہاں جلتا ہے اسے جلنے دو
اس آگ سے لوگوں کو دور رہو، ٹھنڈی نہ کرو نیکھنا نہ جھلو
ہم رات دنا یونہی گھٹتے رہیں، کوئی پوچھے کہ ہم کونا پوچھے
کوئی سا جن ہو یا دشمن ہو، تم ذکر کسی کا مست چھیڑو
سب جان کے سینے دیکھتے ہیں، سب جان کے دھوکے کھاتے ہیں
یہ دیوانے سادہ ہی سہی، پر اتنے بھی سادہ نہیں یارو؟
کس میٹھی تیش کے مالک ہیں ٹھٹھری ہوئی آگ کے انگیارے
تم نے تو کبھی سینکا ہی نہیں، تم کیا سمجھو، تم کیا جانو

دل پیت کی آگ میں جلتا ہے، ہاں جلتا ہے اسے جلنے دو
اس آگ سے تم تو دور رہو، ٹھنڈی نہ کرو نیکھنا نہ جھلو
ہر محفل میں ہم دونوں کی کیا کیا نہیں باتیں ہوتی ہیں
ان باتوں کا مفہوم ہے کیا تم کیا سمجھو، تم کیا جانو

دل چل کے لبوں تک آنہ سکا، لب کھل نہ سکے غم جانہ سکا
 اپنا تو بس اتنا قصہ تھا، تم اپنی سُناؤ اپنی کہو
 وہ شام کہاں وہ رات کہاں، وہ وقت کہاں وہ بات کہاں
 جب مرتے تھے مرنے نہ دیا، اب جلتے ہیں اب جلنے دو

دل پیت کی آگ میں جلتا ہے، ہاں جلتا ہے اسے جلنے دو
 اس آگ سے انشاؤں دور رہو، ٹھنڈی نہ کرو نکچھ نہ جھلو
 لوگوں کی تو باتیں سچی ہیں — اور دل کا بھی کہنا کرنا ہوا
 پر بات ہماری مانو تو — یا اُن کے بنو یا اپنے رہو
 راہی بھی نہیں رہن بھی نہیں، بجلی بھی نہیں حسد من بھی نہیں
 ایسا بھی بھلا ہوتا ہے کہیں، تم بھی تو عجیب — دیوانے ہو
 اس کھیل میں ہر بات اپنی کہاں، جیت اپنی کہاں مات اپنی کہاں
 یا کھیل سے یکسر اٹھ جاؤ، یا جاتی بازی جانے دو

دل پیت کی آگ میں جلتا ہے

مغرب کی اداں

رات کی بات ہے، ساٹھانوں سے چلیں سی کرتا ہوا
ایک جھونکا ہوا کا کسی دودکش سے گزرتا ہوا
ایک سسکی بنا، ایک گھائل صدا— 'میں ہوں الجیریا'

”آج اتنوں کو فوجوں نے زخمی کیا۔ آج اتنے مرے“
”آج اتنوں کو وحشی اٹھائے گئے بستیاں روندتے“
میں تو حصہ ہوں روزانہ اخبار کا— 'میں ہوں الجیریا'

اپنے اپنے غم و عیش کی کشتیوں میں رواں دوستو
میں کہ مغرب سے آیا مسافر ہوں، جاؤں کہاں دوستو
کوئی بستاؤ اہل وفا کا پتا— 'میں ہوں الجیریا'

(۲)

دفعۂ گرد کے زرد بادل اُٹھے، چاند پر چھا گئے
پہر افق تا افق پھیلتے پھیلتے، آپ گہنا گئے
ان پہ سُرخ کی حرفوں میں تحریر تھا — میں ہوں الجیریا

ایک یلے میں خلقت کی آواز اُٹھی — زندگی، زندگی
پھربوؤں کا دھواں، گولیوں کی جھڑی، موت کی خاموشی
پھر وہی اک بھیا تک خلا کی صدا — میں ہوں الجیریا

ایک جھکڑ میں نوبت نفیری لڑائی کی بجتی ہوئی
لک۔ ابر دماں، لاکھ توپیں و مادم گر جتی ہوئی
متور طوفاں سے لپٹی کسی کی بُکا — میں ہوں الجیریا

(۳)

ایک مسجد کے روشن منائے اُبھرتے ہیں ظلمات سے
منبر و صحن کانٹوں کی باڑوں کے بیچے ہیں سونے پڑے
گو بجتی ہے مگر ماذنہ میں صدا — میں ہوں الجیریا

اے خداوندِ افلاکیاں خاکیاں، تاجکے تاجکے
اب کہ سیلابِ خوں تاکر آگیا، اور کیا دیر ہے؟
کوئی دربانِ دروینِ مستلا؟ — میں ہوں الجیریا،

اور کب تک یہی بے اماں بیڑیاں، جھولتی پھانسیاں
بستیوں کھیتیوں چاک سینوں سے اٹھتا سیلٹی دھواں
یہ چھٹا سال ہے جہد و پیکار کا — میں ہوں الجیریا،

(۴)

ارضِ انسانیت کی حدیں سرحدیں ہیں کہاں دوستو
جہدِ اسپین بھی تو بہت دُور تھی، مہرباں دوستو
کوئی دُوری نہیں کون سا فاصلہ — میں ہوں الجیریا،

چین اٹھتے ہو فریاد۔ فریادِ وحشت سے مغلوب ہو
کوئی ہنگامہ دھرتی کی چھت پہ، سرِ رودِ دُنیوٹ ہو
میری فریاد کو بھی کسی نے سنا — میں ہوں الجیریا،

آج افواجِ قاہر کا سیلِ ہزاراں بھی موجود ہے
بالمقابلِ صفتِ غازیوں دلفکاراں بھی موجود ہے
اڈسا ماں ہے تازہ کر و سید کا — میں ہوں الجیریا،

لے اپنی دونوں کچھ لوگ شور مچا رہے تھے کہ ہائے تبت کو تالوچ کر دے۔ اور سنگری میں خلم ہو گیا۔

مت جاؤ، مت جاؤ

مت جاؤ۔ مت جاؤ

گوری

مت جاؤ۔ مت جاؤ

تم سے جوت جگلی ہتی من میں
جیسے چاند سے نیل لگن میں
جیون کے اس اندھے بن میں

تم تھیں ایک الاؤ گوری مت جاؤ۔ مت جاؤ

پیت رتیں۔ جاڑے برساتیں
سوئی شاہیں۔ لمبی راتیں
اپنے آپ سے کرتے باتیں

ہو گا کہاں نبھاؤ گوری مت جاؤ۔ مت جاؤ

دل وحشی دیوانا ہوگا
اس کو بھی سمجھانا ہوگا
ایسا کون بہانا ہوگا
اپنے کو سمجھاؤ گوری

وعدے چھوڑ نہ جانے والے
مُر کر ساتھ نبھانے والے
جھوٹے، جی بہلانے والے
یاد کرو شرماؤ گوری

اور تو سب کے شور مچکانے
بستیاں، بن، پرست ویرانے
انشا جی ہٹکیں دیوانے
لے کے من کے گھاؤ گوری

کب آئے جا کر دوبارا
پیتوں کا سُندر بنجارا
اتنا اچھا اتنا پیارا
مت اس کو بھٹکاؤ گوری

انشاکو....

انشاکو مزاجِ مبارک کو ان دنوں
دُنیا خوش آرہی ہے کہ جانی اُداس ہو
نہنے لگی ہے بلدۂ خواباں کی خاک سے
یاد دل کی وحشیں ہیں پرانی، اُداس ہو
وہ سر میں آپکے تھا جو سودا چلا گیا
یا اب بھی ہے وہ جی کی گرانی، اُداس ہو
تنہا نشینی، خلقِ گریزی، فسردگی
بیتیں بے سرِ میرِ شنائی، اُداس ہو
آوارگی بہ کوچہ و بازار و باغ و دشت
بر میں بیٹے کسی کی نشانی، اُداس ہو

کل بزمِ دوستاں میں تمہارا ہی ذکر تھا
ہم نے سُنی تمہاری کہانی، اُداس ہو
تم نے عجیب روگ ہے جی کو لگا لیا
تم نے ہماری بات نہ مانی، اُداس ہو
دیکھو نہ اب بھی جی کو مجھ سے پھیر کے
ایسی بھی کیوں کسی کی جوانی اُداس ہو

۲۸

سنتے ہیں اس درد کا درماں ہوگا پر کس دن ہوگا
انشا جی دو ایک برس میں تمیں ہمارا سن ہوگا
الھسٹرن کی روک لگا کر روکیں گے۔ لیکن ہوگا

قربوں میں پروان چڑھے ہم، شہروں میں آباد رہے
قامت چہرہ وہ وہ دیکھا کبھی نہ بھولے، یاد رہے
دشت کے اندر قیاس رہے ہم، کوہ پہ جانسرد بنے

جس صورت کے پیچھے بھاگے ہاتھ نہ آئی خواب بنی
یا ساگر کی تہ کا موتی یا بنتِ مہتاب بنی
بانِ نظموں کی کھیلے اچھی خاصی ایک کتاب بنی

سارے عشق ادھورے چھوٹے، لو لے لنگڑے، آدھے پون
جگ میں روپ سروپ کے ملک اتنے تھے پر اپنا کون
اے دل اپنے درد کا چارہ وصلِ صنم یا سیریدون؟

نا اپنی تقدیر سنواری ، نا لوگوں کے کام آئے
پھر بھی ہم پر ایک جہاں کے آنے تھے الزم آئے
اب تک دیوانوں میں سب سے اوپر اپنا نام آئے

اپنوں بیگانوں سے ڈرتے گونگی بہری بات کہیں
داغِ جگر کو لالہ رنگیں ، اشکوں کو برسات کہیں
سورج کو سورج نہ پکاریں ، دن کو اُجلی رات کہیں

شب بھر فکرِ شعر میں بھٹکیں تب دوبیت کی صورت ہو
وہ بھی اپنی خاطر لکھیں ، دل کی دُور کدورت ہو
لوگ بھلا کیوں لے کر چھاپیں ، ان کی کسے ضرورت ہو؟

بتیا کل تو جیسا بتیا ، اس کا ذکر اکارت ہے
آنے والے کل ہکے پیچھے آج کا دن کیوں غارت ہے
جھوٹی فکریں سچی فکریں ، اونچی ایک عمارت ہے

اتھسڑپن کی روک لگا کر روکیں گے ، لیکن ہوگا
انشا جی دو ایک برس میں تیس ہمارا سن ہوگا
سُنتے ہیں اس درد کا درماں ہوگا پر کس دن ہوگا؟

ماضی کے خرابے کی

ماضی کے خرابے کی
محراب شکستہ پر
اک نام جو کندہ ہے
کیا نام ہے کس کا ہے ؟

ناسال نہ سن اس میں
نارات نہ دن اس میں
تصویر نہیں کوئی
تحریر نہیں کوئی
ناتیر کا نقشہ ہے
ناپان کا پتہ ہے
احوال مسافہ کا
پنہاں ہے نہ پیدا ہے

کیا جانیے کب کوئی کس دیس سے آیا ہو
 اپنوں سے وہ غمیدہ وحشت میں پرایا ہو
 کس حال میں رہتا ہو کیا بھیس بنایا ہو
 بادل ہو کہ بجلی ہو وہ دھوپ کہ سایا ہو
 جوگی ہو کہ بختیارہ راجا کہ رعایا ہو
 جس روز سے دل اُس نے دُنیا سے اُٹھایا ہو

کس کس سے لگایا ہو
 اور درد ہی پایا ہو
 ماضی کے خرابے کی
 محراب شکستہ پر
 اس نقش سے کیا مطلب
 اس حرف کے کیا معنی ؟
 یہ نام مسطردالو
 بے نام بنا ڈالو
 ہاں اجنبی انشا کو
 آوارہ ورسوا کو

کچھ دے اسے رخصت کر...

کچھ دے اسے رخصت کر کیوں آنکھ جھکالی ہے
ہاں در پہ ترے مولا! انشا بھی سوالی ہے

اس بات پہ کیوں اس کی اتنا بھی حجاب آئے
فریاد سے بے بہرہ، کسکول سے خالی ہے

شاعر ہے تو ادنیٰ ہے عاشق ہے تو رسوا ہے
کس بات میں اچھا ہے کس وصف میں عالی ہے؟

کس دین کا مرشد ہے، کس کیش کا موبد ہے
کس شہر کا شمنہ ہے، کس دیس کا والی ہے؟

تغظیم کو اتھتے ہیں اس واسطے دل واسلے
حضرت نے مشیخت کی اک طرح نکالی ہے

آوارہ و سرگرداں، کفنی بہ کھلو جھپٹاں
داماں بھی دریدہ ہے، گڈڑی بھی سنہمائی ہے

آوارہ ہے راہوں میں، دُنیا کی نگاہوں میں
عزت بھی مٹالی ہے، تمکیں بھی گنوا لی ہے

آداب سے بیگانہ، در آیا ہے دیوانہ
نے ہاتھ میں تحفہ ہے، نے ساتھ میں ڈالی ہے

بخشش میں تامل ہے اور آنکھ جھکالی ہے
کچھ دُر پہ ترے مولا، یہ بات نرالی ہے
انشا کو ہنسی رخصت کر، انشا کو بھی کچھ دے دے
انشا سے ہزاروں ہیں انشا بھی سوالی ہے

غزلیں



کبھی بھی ہو اس شخص کی اوقات عزیز و
انشا کی نعمت ہے ابھی ذات عزیز و
اس شہِ خرد میں کہاں ملتے ہیں دوانے
پیدا تو کرو اس سے ملاقات عزیز و
پابندِ سلاسل ہے پہ زندانِ جہاں میں
رندانِ جہاں کی سی کرے بات عزیز و
ہے مفلس و محتان پہ سم نے تو نہ دیکھا
اس کو بہ درِ قبدہ حاجات عزیز و
پایا ہے مگر خاکِ بسر اہل طلب میں
اتری ہو جہاں حسن کی بارات عزیز و

اس شخص نے یوں کونسا میدان نہیں مارا
بس عشق کی بازی میں ہوئی مات عزیز و
اُس میں بھی رہا ہاتھ یہ شیرازہ سخن کا
عشاق کے مطلب کی غزلیات عزیز و



جانے تو کیا ڈھونڈ رہا ہے بستی میں ویرانے میں
بیٹے تو اسے قیس ملے گی دل کے دولت خانے میں

جنم جنم کے ساتوں دکھ ہیں اُس کے ماتھے پر تحریر
اپنا آپ مٹانا ہوگا، یہ تخریر مٹانے میں

محفل میں اس شخص کے ہوتے کیف کہاں سے آتا ہے
پیمانے سے آنکھوں میں یا آنکھوں سے پیمانے میں؟

کس کا کس کا حال سنایا، تو نے اے افسانہ گو
ہم نے ایک تجھی کو ڈھونڈا، اس سارے افسانے میں

اس بستی میں اتنے گھر تھے اتنے چہرے اتنے لوگ
اور کسی کے در پر پہنچا؟ ایسا ہوش دوانے میں؟



کل چودھویں کی رات تھی، شب بھر باچہ چا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چاند ترا

ہم بھی وہیں موجود تھے، ہم سے بھی سب پوچھا کیے
ہم ہنس دیے، ہم چپ رہے، منظور تھا پردا ترا

اس شہر میں کس سے ملیں؟ ہم سے تو چھوٹے محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے، ہر شخص دیوانہ ترا

کوٹھے کو تیرے چھوڑ کر، جوگی سی بن جائیں مگر
جنگل ترے، پریت ترے، بستی تری، صحرا ترا

ہم اور رسہ بند کی؟ آشفگی؟ افتادگی؟
احسان ہے کیا کیا ترا، اے عین بے پردا ترا

دوا شک جانے کس لیے، پلوں پہ آکر ٹپک گئے
الطاف کی بارش تری، اکرام کا دریا ترا

اے بے دریغ و بے امان ہم نے کبھی کی ہے فغاں؟
ہم کو تری وحشت ہی، ہم کو سہی سودا ترا

ہم پر یہ سختی کی نظر؟ ہم ہیں فقیرِ گمبزر
رستہ کبھی روکا ترا؟ دامن کبھی ٹھاما ترا؟

ہاں ہاں تری صورتِ حسین، لیکن تو ایسا بھی نہیں
اس شخص کے اشعار سے، شہرہ ہوا کیا کیا ترا

بے درد سُننی ہو تو چل کہتا ہے کیا اچھی غزل
عاشق ترا، رُسا ترا، شاعر ترا، انشا ترا

۷۴



راز کہاں تک رہے گا منظرِ عام پہ آئے گا
جی کا داغ اُجاگر ہو کر سورج کو شرمائے گا

شہروں کو ویران کرے گا اپنی آنچ کی تیزی سے
ویرانوں میں مست، البیلے وحشی پھول کھلائے گا

ہاں یہی شخص گداز اور نازک ہونٹوں پر مسکان لیے
اسے دل اپنے ہاتھ لگاتے پتھر کا بن جائے گا

دیدہ و دل نے درد کی اپنے بات بھی کی تو کس سکی
وہ تو درد کا بانی ٹھہرا، وہ کیا درد بٹائے گا

تیرا نور ظہور سلامت اک دن تجھ پر ماہِ تمام
چاند نگر کا رہنے والا چاند نگر لکھ جائے گا



رات کے خواب سنائیں کس کو، رات کے خواب سہانے تھے
دھندلے دھندلے چہرے تھے، پر سب جانے پہچانے تھے

صدی وحشی، القہر، چنچل، میٹھے لوگ، رسیدے لوگ
ہونٹ اُن کے غزلوں کے مصرعے آنکھوں میں افسانے تھے

وحشت کا عنوان ہماری، ان میں سے جو نار بنی
دیکھیں گے تو لوگ کہیں گے، انشا جی دیوانے تھے

یہ لڑکی تو ان گلیوں میں روز ہی گھومنا کرتی تھی
اس سے ان کو ملنا تھا تاہم اس کے لاکھ بہانے تھے

ہم کو ساری رات جگایا، جلتے نہکتے تاروں نے
ہم کیوں اُن کے در پر اترے نہ اور ٹھکانے تھے



اے متوالی، بدلی کالی، رُوپ کا رس برساتی جا
دل والوں کی اجڑی کھیتی، سُونا دھام برساتی جا

دیوانوں کا روپ نہ دھاریں؟ یاد دھاریں؟ بتلاتی جا
ماریں یا ہمیں اینٹ نہ ماریں لوگوں سے فرماتی جا

اور بہت رشتے تیرے اور بہت تیرے نام
آج تو ایک ہمارے رشتے، محبوبہ کہلاتی جا

پوئے چاند کی رات وہ ساگر جس ساگر کا اور نہ چھوڑ
یا ہم آج ڈبودیں تجھ کو، یا تو ہمیں بچپاتی جا

ہم لوگوں کی آنکھیں پلکیں راہ میں ہیں، کچھ اور نہیں
شرباتی گھبراتی گوری، اتراتی اٹھلاتی جا

دل والوں کی دُور پہنچ نہئے ظاہر کی اوقات نہ دیکھ
ایک نظر بخشیش میں دے کر لاکھ ثواب کماتی جا

اور توفیق نہیں کچھ تجھ سے اے بے حال اے بے
انشا جی سے نظمیں، غزلیں، گیت، کبت لکھواتی جا



انشائی اٹھو اب کوچ کرو، اس شہر میں جی کو لگانا کیا
وحشی کو سکوں سے کیا مطلب، جوگی کانگر میں ٹھکانا کیا

اس دل کے دریدہ دامن کو دیکھو تو یہی سوچو تو یہی
جس جھولی میں سوچید ہوئے، اُس جھولی کا پھیلانا کیا؟

شب بیتی، چاند بھی ڈوب چلا، زنجیر پڑی دروازے میں
کیوں دیر گئے گھر آئے ہو، سجنی سے کرو گے بہانا کیا؟

پھر بھر کی لمبی رات میاں، سنوگ کی تو یہی ایک گھڑی
جو دل میں ہے لب پر آنے دو، شرمانا کیا، گھبرانا کیا؟

اُس روز جو اُن کو دیکھا ہے اب خواب کا عالم لگتا ہے
اُس روز جو اُن سے بات ہوئی، وہ بات بھی تھی افسانہ کیا؟

اُس حسن کے سچے موتی کو، ہم دیکھ سکیں پر چھو نہ سکیں
جسے دیکھ سکیں پر چھو نہ سکیں، وہ دولت کیا، وہ خزانہ کیا؟

اُس کو بھی جلاد کھتے ہوئے من! اک شعلہ لال بھوکا بن
یوں آنسو بن بہہ جانا کیا؟ یوں مائی میں مل جانا کیا؟

جب شہر کے لوگ نہ رستا دیں، کیوں بن میں نہ جا بسرام^۱ کھے
دیوانوں کی سی نہ بات کرے تو اور کرے دیوانا کیا؟

۱۔ بصرام : چمکانا، استراحت۔



دیکھ ہماری دید کے کارن کیسا قابل دید ہوا
ایک ستارہ بیٹھے بیٹھے تابش میں خورشید ہوا
آج تو بانی رستہ تکتے، شام کا چاند پدید ہوا
تو نے تو انکار کیا تھا، دل کب ناامید ہوا
آن کے اس بیمار کو دیکھے، تجھ کو بھی توفیق ہوئی؟
لب پر اس کے نام تھا تیرا، جب بھی درد شدید ہوا
ہاں اس نے بھلی دکھلائی، ایک ہی پل کو دیسے میں
جانو اک بجلی لہرائی، عالم ایک شہید ہوا
تو نے بہت کلام بھی چھوڑا، عرضِ فنا کے سنتے ہی
پہلے کون قریب تھا ہم سے اب تو اور بعید ہوا
دنیا کے سب کارج چھوٹے نام پہ تیرے اُٹھنے
اور اسے کیا تھوٹے غم تھے، تیرا عشق مزید ہوا



اس شہر کے لوگوں پر ختم سہی خوش طلعتی دگل پیر مہنی
مرے دل کی تو پیاس کبھی نہ بجھی مرے جی کی تو بات کبھی نہ بنی
ابھی کل ہی کی بات ہے جانِ جہاں یہاں خیل کے خیل تھے شور کیاں
اب نعرہ عشق نہ ضربِ فغاں گئے کون نگر وہ وفا کے دھنی
کوئی ادب بھی موردِ لطف ہوا؟ ملی اہل ہوس کو ہوس کی سزا؟
ترے شہر میں تھے ہمیں اہل وفا، ملی ایک ہمیں کو جلا وطنی
یہ تو سچ ہے کہ ہم تجھے پانہ سکے تری یاد بھی جی سے بھلا نہ سکے
تراداغ ہے دل میں چراغِ صفت ترے نام کی زیبِ گلو گھنی
تم سختی راہ کا عزم نہ کرو، ہر دور کی راہ میں ہم سفر و
جہاں مشتِ خزاں وہیں ادی گل جہاں دھوپ کڑی ہاں چھاؤں گھنی
اس عشق کے درد کی کون دوا، مگر ایک نصیب ہے ایک دعا
پڑھو میر و کبیر کے بیتِ کبت، سنو شعرِ نصیبِ فقیر و غنی



جلوہ نمائی ہے پروائی، ہاں یہی ریت جہاں کی ہے
کب کوئی لڑکی من کا دریچہ کھول کے باہر جھانکی ہے

آج مگر اک نار کو دیکھا، جانے یہ نار کہاں کی ہے
مصر کی مورت؟ چین کی گڑیا؟ دیوی ہندوستان کی ہے؟

نکھ پر روپکا دھوپ کا عالم، بال اندھیری شب کی مثال
آنکھ نشیلی، بات رسیلی، چال بلا کی بانکی ہے

انشاجی اسے روک کے پوچھیں: ”تم کو تو مفت ملا ہے حسن
کس لیے پھر بازارِ وفا میں تم نے یہ عنس گراں کی ہے؟“

ایک ذرا سا گوشہ دے دو اپنے پاس جہاں سے دُور
اس بستی میں ہم لوگوں کو حاجت ایک مکاں کی ہے“

اہل خرد تا دیب کی خاطر پا ہترے لے آپہنچے
جب کبھی ہم نے شہر غزل میں دل کی بات بیاں کی ہے

نملکوں نملکوں • شہروں شہروں • جوگی بن کر گھوما کون؟
قریہ بہ قریہ • صحرا بہ صحرا • خاک کس نے چھانکی ہے؟

ہم سے جس کے طور ہوں بابا، دیکھو گے دو ایک ہی او
کہنے کو تو شہر کراچی بستی دل زدگاں کی ہے



سب کو دل کے داغ دکھائے، ایک تجھی کو دکھانے کے
تیرا دامن دُور نہیں تھا، ہاتھ ہمیں پھیلانے کے

تو اے دوست کہاں لے آیا چہرہ یہ خورشیدِ مثال
بسنے میں آباد کریں گے، آنکھوں میں تو سمانے کے

نا تجھ سے کچھ ہم کو نسبت، نا تجھ کو کچھ ہم سے کام
ہم کو یہ معلوم تھا لیکن دل کو یہ سمجھانے کے

اب تجھ سے کس منہ سے کہہ دیں سات سمندر پار نہ جا
بیچ کی اک دیوار بھی ہم تو پھاند نہ پائے ڈھانے کے

من پاپی کی اُجڑی کھیتی سُکھی کی سُکھی ہی رہی
اُڈے بادل، گرجے بادل، بوندیں دو برسانے کے



جب دہر کے غم سے اماں نہ ملی، ہم لوگوں نے عشق ایجا دیا
کبھی شہرتیاں میں خراب پھرے کبھی دشت جنوں آباد کیا

کبھی بنیاں بن کبھی کوہ و دمن رہا کتنے دنوں ہی جی کا چلن
جہاں حسن ملا وہاں پیچھے ہے جہاں پیار ملا وہاں صدا کیا

شبِ ماہ میں جب بھی یہ درد اٹھا، کبھی بیت کے دکھی چاند نگر
کبھی کوہ سے جا سرھپوڑ مرے کبھی قبیس کو جا استاد کیا

یہ عشق بالآخر روگ بنا، کہ بے چاہ کے ساتھ بھوگ بنا
جسے بنانا تھا عیش وہ سوگ بنا، بڑا من کے نگر میں فساد کیا

اب قربت و محبت یا کماں لب عارض زلف کنار کہاں
اب اپنا بھی میر سا عالم ہے ٹمک دیکھ لیا جی شاد کیا



اسے دل والو گھر سے نکلوا دیتا دعوتِ عام ہے چاند
شہروں شہروں قریوں قریوں وحشت کا پیغام ہے چاند

تو بھی ہرے دیچے والی، آجا برسرِ بام ہے چاند
بر کوئی جگ میں خود سا ڈھونڈے تجھ بن بے آرام ہے چاند

سکھيوں سے کب سکھیاں اپنے جی کے بھید چھپاتی ہیں
ہم سے نہیں تو اس سے کہہ دے کرتا کہاں کلام ہے چاند

جس جس سے اسے ربط رہا ہے اور بھی لوگ ہزاروں ہیں
ایک تجھی کو بے مہری کا دیتا کیوں الزام ہے چاند

وہ جو تیرا داغ غلامی مانتے پر یسے پھرتا ہے
اس کا نام تو انشا ٓھہرا، ناحق کو بدنام ہے چاند

ہم سے بھی دو باتیں کر لے کیسی بھیگی شام ہے چاند
سب کچھ بچے آپ نہ بولے تیرا خوب نظام ہے چاند

ہم اس لمبے چوڑے گھر میں شب کو تنہا ہوتے ہیں
دیکھ کسی دن آبل ہم سے ہم کو تجھ سے کام ہے چاند

اپنے تودل کے مشرق و مغرب اُس کے رُخ سے منور ہیں
بے شک تیرا روپ بھی کامل بے شک تو بھی تمام ہے چاند

تجھ کو تو ہر شام فلک پر گھٹا بڑھتا دیکھتے ہیں
اُس کو دیکھ کے عید کریں گے اپنا اور اسلام ہے چاند



اِس کو نام جنوں کا دے لو، پیار کہو کہ دُلا رہو
ایسا اور کسی کا دیکھ دل کا کاروبار؟ کہو

بستی میں دیوانہ سمجھو، دشت میں ہم کو خوار کہو
اُن سے ایک نہ ایک بہانے ہونا تھا دو چار کہو

تم کیا سُود و زیاں کی جانو، تم جو اِسے ایتار کہو
جان تو دیں پر جاناں پائیں، ہم کو دُنیادار کہو

اور کسی کے در پر جائیں چھوڑ کے اُن کا دوار بھلا؟
ایسی اچھی آنکھوں والے کتنے ہیں سرکار کہو

تم نے حال ہمارا دیکھا، تم جو باغ و بہاراں میں
گل کو چاک بداماں جانو، نرگس کو بیمار کہو

بیچ بھنور کے منزل کرتے ہم تو یوں بھی پہنچیں گے
ایک ٹکے میں لے چلتے ہو مانتھی دریا پار کہو؟

ہم جس ترے کو نین بھی تیرے دُنیا کیا اور عقی کیا
بیچ میں کیوں لے دوست اٹھادی ناحق کی یو کہو

انشا جی یہ فیض ہے کس کا، کیا ہے اس کا نام و مقام
ہم تو رنگ تمہارا جانیں ایسے کب اشعار کہو!



گوری اب تو آپ سمجھ لے، ہم سا جن یاد شمن ہیں

گوری تو ہے جسم ہمارا، ہم تیسرا پیرا ہن ہیں

نگر ننگری گھوم رہے ہیں، سخیو اچھا موقع ہے

روپ سروپ کی بھکشا ہے دو، ہم اک پھیلا دامن ہیں

تیرے چاکر ہو کر پایا درد بہت رسوائی بہت

تجھ سے تھے جو ٹکے کماے، آج تجھی کو ارن ہیں،

لوگو میلے تن من دھن کی ہم کو سخت منا ہی ہے

لوگو ہم اس چھوت سے بھاگیں، ہم تو کھرے برہمن ہیں

پوچھو کھیل بنانے والے، پوچھو کھیلنے والے سے

ہم کیا جانیں کس کی بازی، ہم جو پستے باون ہیں

سحر اسے جو پھول چنے تھے، اُن سے رُوح معطر ہے

اب جو خار سمیٹ چاہیں، بستی بستی گلشن ہیں

دو دو بوند کو اپنی کھیتی ترسی ہے اور ترسے گی

کہنے کو تو دوست ہمارے بھادوں ہیں اور ساون ہیں



اپنے ہمراہ چھو آتے ہو۔ ادھر سے پہلے
دشت پڑتا ہے میاں عشق میں، گھر سے پہلے
چل دیئے اٹھ کے سوئے شہرِ وفا، کوئے حبیب
پوچھ لیتا تھا کسی خاکسار سے اپنا
عشق پہلے بھی کیا، ہجر کا غم جی دینا
اتنے تڑپے ہیں، نہ گھبرائے نہ ترسے پہلے
جی رہتا ہی نہیں اب کوئی ساعت کوئی پہل
رات تو حلق ہی نہیں چارہ پست پہلے
ہم کسی در پہ نہ ٹھکے، نہ کہیں — دی
سیکڑوں درختے مری جاں ترسے در سے پہلے
چاند سے آنکھ ملی، جی کا اُجھلا جاگا
ہم کو سوار ہوئی صبح سحر سے پہلے



دیکھ ہمارے ماتھے پر یہ دشتِ طلب کی دھول میاں
ہم سے عجب ترا درد کا ناطہ دیکھ ہمیں مت بھول میاں

اہلِ وفا سے بات نہ کرنا، ہوگا ترا اصول میاں
ہم کیوں چھوڑیں ان گلیوں کے پیروں کا معمول میاں

یونہی تو نہیں دشت میں پہنچے، یونہی تو نہیں جوگ لیا
بستی بستی کا نئے دیکھے، جنگل جنگل پھول میاں

یہ تو کہو کبھی عشق کیا ہے؟ جگ میں ہوئے ہوڑ سوا بھی؟
اس کے سوا ہم کچھ بھی نہ پوچھیں، باقی بات فضول میاں

نصب کریں محرابِ تمنا، دیدہ و دل کو فرش کو یں
سنئے ہیں وہ کوئے و فایں آج کریں گے نزول میاں

سُن تو لیا کسی نار کی خاطر کاٹا کوہ ، نکالی نہر
ایک ذرا سے قصے کو اب دیتے کیوں ہو طول میاں

کھیلنے دیں انھیں عشق کی بازی کھیلیں گے تو سیکھیں گے
قیر کی یا فرہاد کی خاطر کھولیں کیا اسکول میاں

اب تو ہمیں منظور ہے یہ بھی ، شہر سے نکلیں ، رُسوا ہوں
تجھ کو دیکھا ، باتیں کر لیں ، محنت ہوئی وصول میاں

انشا جی کیا عذر ہے تم کو ، نقدِ دل و جاں نذر کرو
رُوپ نگر کے ناکے پر یہ لگتا ہے محسُول میاں



دلِ عشق میں بے پایاں، سودا ہو تو ایسا ہو
دریا ہو تو ایسا ہو، صحرا ہو تو ایسا ہو

اک خالِ سویدا میں، پہنائی دو عالم
پھیلا ہو تو ایسا ہو، سمٹا ہو تو ایسا ہو

اے قیسِ جنوں پیشہ، انشا کو کبھی دیکھا؟
وحشی ہو تو ایسا ہو، رُسوا ہو تو ایسا ہو

دریا بہ حبابِ اندر، طوفاں بہ سحابِ اندر
محشر بہ حجابِ اندر، ہونا ہو تو ایسا ہو

ہم سے نہیں رشتہ بھی، ہم سے نہیں ملتا بھی
ہے پاكس وہ بیٹھا بھی، دھوکا ہو تو ایسا ہو

وہ بھی رہا بیگانہ، ہمس نے بھی نہ پہچانا
ہاں اے دل دیوانہ، اپنا ہو تو ایسا ہو

اس درد میں کیا کیا ہے، رُسوائی بھی نذرت بھی
کانٹا ہو تو ایسا ہو، چُھٹتا ہو تو ایسا ہو

ہم نے یہی مان لگاتھا، اُس نے یہی بخشا ہے
بندہ ہو تو ایسا ہو، دانا ہو تو ایسا ہو



دل ہجر کے درد سے بوجھل ہے، اب آن ملو تو بہتر ہو
اس بات سے ہم کو کیا مطلب، یہ کیسے ہو یہ کیونکر ہو؟

اک بھیکے دونو کا سہ ہیں، اک پیاس کے دونو پیاسے ہیں
ہم کھیتی ہیں، تم بادل ہو، ہم ندیا ہیں تم ساگر ہو!

یہ دل ہے کہ جلتے سینے میں، اک درد کا پھوڑا اٹھ رہا
ناگیت ہے ناچوٹ ہے، کوئی مرہم کوئی نشتر ہو

ہم سا بچھڑے کی چھایا ہیں، تم چڑھتی رات کے چند رماں
سم تبارے ہیں، تم آتے ہو، پھر میل کی صورت کیونکر ہو!

اب حُسن کا رتبہ عالی ہے، اب حُسن سے صحرا خالی ہے
چل بستی میں بنجارہ بن، چل نگرہی میں سوداگر ہو

جس چیز سے تجھ کو نسبت ہے جس چیز کی تجھ کو چاہت ہے
وہ سونا ہے وہ ہیرا ہے ۔ وہ مائی ہو یا کنکر ہو

اب انشا جی کو بلانا کیا، اب پیار کے دیپ جلانا کیا
جب دھوپ اور چھایا ایک سے ہوں، جب دن اور رات برابر ہوں

وہ راتیں چاند کے ساتھ گئیں، وہ باتیں چاند کے ساتھ گئیں
اب سکھ کے سینے کیا دیکھیں، جب دکھ کا سُوج سر پہ ہے



ہم اس دل کے محرم ٹھہرے یہ کسی مصر کا زنداں تھا
بکن کل کیا بات تھی جانے، کل یہ قصرِ حیران تھا

ایسا دیا نور تھا اس میں؟ نور بھی نورِ کنعاں تھا
پاند ستارے در کے سایل، خواجہ برق جو درباں تھا

ہم نے تو یاہر سے دیکھا، قندیلیں تھیں یادوں کی؟
یا ان دیواروں کے پیچھے، شعلہٴ یوسف نغریاں تھا؟

جان مری کل کون کھڑا تھا در پہ ترے کمنگول بدست
یا بصرے کا دالی تھا وہ، یا دلی کا سلطان تھا

اپنا عشق، تعنا فل تیرا، یہ تو محض بہانے ہیں
مدت سے دبیلز جنوں پر اک سجدے کا ارماں تھا

کب لوٹا ہے بہت پانی، بچھڑا سا جن، روٹھا دوست
انہوں نے اُس کو اپنا جانا، جب تک ہاتھ میں داماں تھا

اُن کا شور، کی یاد میں اب تک تلووں کو پہلاتے ہیں
ہم جب خسرو دشتِ وفا تھے، سارا دشتِ مغللاں تھا

ہم تو رعبِ حُسن کے مارے نام نہ اُس کا پوچھ سکے
جس نے ہم کو شاہی بخشی لوگو کو کون سلیمان، تانا؟

مُلا جی تاویب کرو کچھ اپنے بر خورداروں کو
کل بھی قیسن میاں کے بریں، انشا جی کا دیواں تھا



عرش کے تارے توڑ کے لائیں کاوش لوگ ہزار کریں
میر کی بات کہاں سے پائیں، آخر کو امتہار کریں
آپ اسے حسنِ طلب مت سمجھیں، ناچھ اور شمار کریں
شعراک میر فقیر کا ہم جو آپ کے گوش گزار کریں
'آج ہمارے گھر آیا لو۔ کیا ہے جو تجھ پہ نثار کریں
الاکھینچ بغل میں تجھ کو، دیر تک ہم پیار کریں'
کب کی ہمارے عشق کی نوبت، قیس سے آگے جا پہنچی
رسماً لوگ ابھی تک اس مرحوم کا ذکر اذکار کریں
درجِ چشم میں اشک کے موتی لے جانے ہیں ان کے حضور
چو کھارنگ لہو کا دے کر اور انھیں شہوار کریں
دین و دل و جاں سب سرمایہ جن میں اپنا صرف ہوا
عشق یہ کاروبار نہیں کیا، اور جو کاروبار کریں
جتنے بھی دل ریش ہیں اُس کے سب کو نامے بھیج بلا
اُس بے مہر و منت دشمن کی یادوں کا دربار کریں



شامِ عشم کی سحر نہیں ہوتی؟
یا ہمیں کو خیر نہیں ہوتی؟
ہم نے سب دکھ جہاں کچھ دیکھے ہیں
بے کلی اس قدر نہیں ہوتی
نالہ یوں نارسا نہیں رہتا
آہ یوں بے اثر نہیں ہوتی
چاند ہے، لکشاں ہے، تارے ہیں
کوئی شے نامہ بر نہیں ہوتی
ایک جاں سوز و نامراد خلش
اس طرف ہے اُدھر نہیں ہوتی

دوستو، عشق ہے خطا، لیکن
کیا خطا درگزر نہیں ہوتی؟

رات آ کر گزر بھی جاتی ہے
اک ہماری سحر نہیں ہوتی
بے فستاری سہی نہیں جاتی
زندگی مختصر نہیں ہوتی

ایک دن دیکھنے کو آ جاتے
یہ ہو کس عمر بھر نہیں ہوتی
حسن سب کو خدا نہیں دیتا
ہر کسی کی نظر نہیں ہوتی
دل پیالہ نہیں گدائی کا
عاشقی در بہ در نہیں ہوتی



اس شام وہ رخصت کا سماں یاد رہے گا
وہ شہر، وہ کوچہ، وہ مکاں یاد رہے گا

وہ ٹیس کہ اُبھری تھی ادھر یاد رہے گی
وہ درد کہ اُٹھا تھا یہاں یاد رہے گا

ہم شوق کے شعلے کی لپک بھول بھی جائیں
وہ شمع فسردہ کا دھواں یاد رہے گا

ہاں بزمِ شبانہ میں ہمہ شوق جو اس دن
ہم تھے تری جانب نگراں یاد رہے گا

کچھ میر کے ابیات تھے، کچھ فیض کے مصرعے
اک درد کا نفا، جن میں بیاں یاد رہے گا

آنکھوں میں سلگتی ہوئی وحشت کے جلو میں
 وہ حیرت و حسرت کا جہاں یاد رہے گا
 جاں بخشہ سی اُس برگ گل تر کی تراوت
 وہ لمس عزیزِ دو جہاں یاد رہے گا
 ہم بھول سکے ہیں نہ تجھے بھول سکیں گے
 تو یاد رہے گا، ہمیں ہاں یاد رہے گا



اب نہ محمل نہ گردِ محمل سے
 اے جنوں وشت ہے کہ منزل ہے
 اب تنہی راہ سے بھٹک جاؤ
 دل کو سمجھانا سخت مشکل ہے
 ناحنہ کو ڈبو دیا ہم نے
 اب کسے آرزوئے حل ہے



دوستِ فرستِ دلدارِی دُنیا ہتی کہاں
اپنے شعروں کے تو ممدوح تھے موزوں بدناں
یوں ملا اس کا صلہ، شانِ وفا کے شایاں
عشق مجھ رو تپساں، وصل نصیبِ دیگران
ہاں ہمیں دعویٰ زباں کا ہے، مگر اس عنوان
اپنی دلی یہ جہاں، اپنی محبت ہے زباں
تم سے پہلے ہیں میاں، عشق کے قدموں کے نقوش
ماہِ دمرتخ کے ہاں، زہرہ سے تاکا ہلکاں
تم نے کس مصرعے بازار میں کیا مول لیا؟
یوسفِ دل ہے یہاں۔ سینہ انشائیں نہاں

آج ہم منزلِ مقصود سے مایوس ہوئے
ہر طرف راہبراں، راہبراں، راہبراں
وحشتِ دل کے خریدار بھی ناپید ہوئے
کون اب عشق کے بازار میں کھوئے گا دُکاں



سنتے ہیں پھر چھپ چھپ اُن کے گھر میں آتے جاتے ہو
انشا صاحب ناسحق جی کو وحشت میں اُلجھاتے ہو

دل کی بات چھپانی مشکل، لیکن خوب چھپاتے ہو
بُن میں دانا، شہر کے اندر دیوانے کہلاتے ہو

بے کل بے کل رہتے ہو، پر محفل کے آداب کے ساتھ
آنکھ جُرا کر دیکھ بھی لیتے، جھوٹے بھی بن جاتے ہو

پسیت میں ایسے لاکھ جتن ہیں، لیکن اک ذن سب ناکام
آپ جہاں میں رُسوا ہو گئے، وعظ ہمیں فرماتے ہو

ہم سے نام جنوں کا قائم، ہم سے دشت کی آبادی
ہم سے درد کا شکوہ کرتے؟ ہم کو زخم دکھاتے ہو؟



کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ — کچھ نہ کہو، خاموش رہو
اے لوگو خاموش رہو — ہاں اے لوگو، خاموش رہو

سچ اچھا، پر اس کے جلو میں، زہر کا ہے اک پیالہ بھی
یا گل ہو؟ کیوں ناحق کو سقراط بنو، خاموش رہو

حق اچھا۔ پر اس کے لیے کوئی اور مرے تو اور اچھا
تم بھی کوئی منصور ہو جو سولی پہ چسٹھو؟ خاموش رہو

اُن کا یہ کہنا سورج ہی دھرتی کے پھرے کرتا ہے
سرا نکھوں پر سورج ہی کو گھومنے دو۔ خاموش رہو

مجھ میں کچھ جس ہے اور زنجیر کا آہن چھپتا ہے
پھر سوچو۔ ہاں پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، خاموش رہو

گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں، من میں کیا کیا موسم ہیں
اس بگیا کے بھید نہ کھولو، سیر کرو، خاموش رہو

آنکھیں موند کنارے مٹیوں، من کے رکھو بند کواڑ
انشا جی لو دھبہ گا لو اور لب سی لو، خاموش رہو

دیوارِ گریہ

(جون ۱۹۶۷ء)

نعرہ تبکیر کا اپنے لب پر لیے
کلمہ طیبہ کو وظیفہ کیے

ایک دیوارِ گریہ بناؤ کہیں
یا وہ دیوارِ گریہ ہی لاؤ کہیں
اب جو اُس پار بیت المقدس میں ہے
تاکہ اُس سے لپٹ
اُرون و مصر کے ، شام کے
اُن شہیدوں کو یکبار روئیں
اُن کے زخموں کو اشکوں سے دھوئیں
وہ جو غازہ میں لڑ کر
وہ جو سینائی کے دشت میں بے اماں
وحشی دشمن کی توپوں کا ایندھن بنے

جن پہ گدھوں کے لشکر جھپٹتے رہے
وہ جو مرتے رہے وہ جو کٹتے رہے

آج جب چار دن چار راتوں کے بعد
ایک غونخوار سورج

صبح فردا کا سورج لبِ بام آیا

تو یہ آنکھوں نے دیکھا

وہ جو آنکھوں نے دیکھا

بھول جاؤ اسے بھول جاؤ کہیں

ایک دیوارِ گریہ بناؤ کہیں

وہ یہودی کہ مقہور و مغضوب ہو کر

اتنی صدیوں سے آوارہ و بے وطن تھا

رونے آتا تھا دیوارِ گریہ کے نیچے

دھونے آتا تھا اشکوں سے دامنِ ماضی

آج اس کی قلمرو

شہرِ حیفہ سے تاراں تیراں ہے

اس کی افواج تیز

صُورتِ رست خیز
خیمہ زن بر سوز

— اور اہل عرب
جن کے اجداد نے
شرق سے غزب تک
شہسواری بھی کی . تا جداری بھی کی
شہر و صحرا میں آوارہ و بے وطن ہیں
ہیفہ و جافہ و ناصرہ کے مکہیں
سا ابا سال سے بے مکاں کہ فشاں
دشت بھی غیر کا . شہر بھی غیر کا
بحر بھی غیر کا

اے خداوندِ افلاکیاں خاکیاں
کیا عرب کو بھی آوارہ ہونا پڑے گا
یعنی صدیوں تک
یونہی دیوارِ گریہ پہ رونا پڑے گا ؟

ایک دیوار گریہ بناؤ کہیں
 آج یاروں کو رو رو لاؤ کہیں
 اپنے دشمن تو ملعون و ناعوب ہیں
 ہم تو یاروں کی یاری سے محبوب ہیں
 ایک بھبکی سے دشمن کی جو ڈھیر ہے
 وہ اگر شیر ہے کاغذی شیر ہے

ایک جانب وہ طیارہ بردار تھے
 جن پہ مغرب کے بمباری سوار تھے
 وہ تو اڑتے رہے اور جھپٹتے رہے
 آگے بڑھتے رہے پیچھے ہٹتے رہے
 روکا یاروں کو اک منکر انجام نے
 بیڑے یاروں کے دیکھا کیسے سامنے

آئے بمبار جو کارواں کارواں
 ان کی یلغار سے تھا سیاہ آسماں
 ان کی زد میں عرب کے سہیلے جواں
 جن کے نیروں نے جیتا تھا آدھا جہاں
 جن کی تاریخِ فتحیں سرفرازیاں
 کوئی دم میں ہوئے اس طرح بے نشان
 سینہ دشت تھا خون اور ہڈیاں
 وہ بھی جھلسا دیا نارِ نیپام نے
 بیڑے یاروں کے دیکھا کیے سامنے

جن سے دل کو وفا کی اُمیدیں بہت
 جن کے وعدے بہت تھے وعیدیں بہت
 بیٹھے لفظوں کے راکٹ چلایا کیے
 یا بیانون کے بم آزمایا کیے
 دھمکیوں کے میزائل اڑایا کیے
 کوئی گرتوں کو آیا مگر ہٹا منے؛
 بیڑے یاروں کے دیکھا کیے سامنے

آج رَسینائی کی مسجدیں بے اذان
 آج رَسینائی میں عیدِ سیہونیایاں
 رُوحِ قبلہ تپاں درد کی آگ میں
 سو رہا ہے چراغاں سناگاگ میں
 مضطرب مضطرب رُوحِ جبریل ہے
 سُوقِ در سُوقِ غولِ سرائیل ہے
 جورِ وِجہال ہے، شورِ مشرِیاد ہے
 یہ قیامت ہے یا محض افتاد ہے؟

کوئی دن کے لیے
قاہرہ کے شبینہ کلب کے حسینو !
اپنے جلوے نہ اتنے نمایاں کرو

کوٹے بیروت و بصرہ کے بے آستینو !
اپنے غمزوں کو اتنا نہ ارزاں کرو

شیخ عالی مقام !
یاز کچھ روز گنج قفس میں رہیں

شاہ ذی احترام !
تجھ کو ناموسِ اُمت کی قسمیں رہیں

اے عرب کے عوام !
ہاں رقابت کے جذبات بس میں رہیں

ورنہ قطرہ یہ آلِ اسرائیل کا
بحرِ طلمات بن کر بھپڑ جائے گا
ایک عالم کو غرمتاب کر جائے گا

وہ تو فوجوں کے اڈے بنایا کریں
 آپ رونقِ حرم کی بڑھایا کریں
 اُن کا مقصد جہانِ عرب پر بزن
 آپ کی ترک تازی کی حد ہے یمن
 وہ مستخر کریں ارض و انسلاک کو
 آپ کے مورچے ریڈیو ریڈیو
 آپ تسبیح و حجام و مے ارغواں
 وہ سپاہی زن و بچہ، پیر و جوان
 آپ اُونٹوں پہ مُصل سجاتے ہوئے
 وہ نئے اسلحے آزماتے ہوئے
 آپ سمجھے یہ کچھ روز کا کھیل ہے
 اُن کی نظروں میں تو آپ کا تیل ہے

آپ کی کشت ہے
 آپ کا شہر ہے
 آپ کا دشت ہے
 آپ کی نہر ہے

دیکھ بیت المقدس کی پرچھائیاں
 اجنبی ہو گئیں جس کی پہنائیاں
 ہر طرف پرچمِ نجمِ داؤد ہے
 راہِ صخرہ کے گنبد کی مسدود ہے
 رفعتِ آفریں عالمِ پست کی
 منزلِ اولیں تا سماجست کی
 سجدہ گاہِ عمر، مسجدِ پاک میں
 آج خالی مصلے، اٹے خاک میں
 ہر طرف فوجِ دجال ملعون ہے
 منزل و سوق و بازار میں خون ہے

۱: نجمِ داؤد - شش پہلو ستارہ جو اسرائیل کے پرچم کا نشان ہے
 ۲: گنبدِ صخرہ - جہاں سے براق نے شبِ معراج پرواز کی۔

میں نہ لوٹوں گا، مجھ کو نہ آواز دو
 جب تلک، تلک میرا نہ آزاد ہو
 قول ہارا تھا جس مرد بے باک نے
 ہاں اُسے بھی پناہ دی تری خاک نے
 وہ کہ جو ہر تھا شمشیرِ اسلام کا
 ایک ہندی محمد علی نام کا
 آج یروشلم تو جو پامال ہے
 رُوحِ آزاد کا اُس کی کیا حال ہے؟

یا اخی ! یا اخی !

رو چکا ، اور کاہے کو روتا ہے تو
تیسرے رب کا تو منہ مان - لا تقنطلوا
کس کی تاریخ ہے بے غم و ابتلا
کر بلا بھی ترے دین کا مرحلا
جس جگہ دھوپ ہے اُس جگہ چھاؤں ہے
زندگی دھوپ اور چھاؤں کا ناؤں ہے
آدکھائیں تجھے ، تیسری دلجوئی کو
دُور مشرق میں اسرارِ بنوئی کو
اُن کا دشمن شکستوں سے بے حال ہے
اُن کو لڑتے ہوئے بیسواں سال ہے
یہ بھی ملحوظ رکھ ، تو جو دل تنگ ہے
یہ بھی اُن کی ہے ، وہ بھی تری جنگ ہے

آج دشمن کو گر کامراں جانے
اس کو اک عارضی امتحاں جانے
جنگ میں گم دو گم سٹتے بھی ہیں
آگے بڑھنے کو پیچھے پلٹتے بھی ہیں

آکہ ان قاتلوں ، وحشیوں ، مجرموں
غاصبوں ، اور ان سب کے آقاؤں کو
وہ جو سونے کے بچپڑوں کی پوجا کریں
سات ساگر کے اُس پار سے جو مسدا
تار سازش کے ، پیٹھے ہلایا کریں
ساری دنیا میں آشوب لایا کریں
ان کے اپنے گناہوں کے شک گراں
کر کے زیب کھلو

آج عقبہ کی کھاڑی میں غائب کر دیں

تاکہ عمان و مکہ بھی محفوظ ہوں
تاکہ لاہور و ڈھاکہ بھی محفوظ ہوں
تاکہ اور اہل دُنیا بھی محفوظ ہوں

اور پھر ان کے پسماندگاں کے لیے
ایک دیوارِ گرہِ بنائیں کہیں
جس پہ مل کے یہ آنسو بہائیں کہیں !

دیوانے کا پاؤں زمیاں سے

اس نظم کی نیو ۱۹۵۲ء کے لگ بھگ رکھی
 گئی تھی۔ اس کے مختلف بند مختلف اوقات میں لکھے
 گئے، کئی کئی سال کے وقفے سے۔ اس میں کہیں شاعر
 کے اپنے جذباتی مسائل کی جھلک ہے، کہیں ۱۹۶۵ء کی
 جنگ اور محدبہ دیت نام کا عکس۔ کیفیت بھی کہیں عزم کی
 ہے، کہیں تشائم کی۔ اس نظم کی پہنائی ایسی ہے کہ یہ مزید
 اضافوں کے ساتھ بھی نامربوط اور ناتمام محسوس ہوگی۔ موجودہ
 صورت میں اس کے متعدد بند ایک آزاد کینٹو کے طور پر
 پڑھے جاسکتے ہیں۔

(۱)

کل شب سے اُبھر رہا ہے جی میں
اک درد کہ دردِ جانستاں ہے

کا ہش غم عاشقی سے بڑھ کر
لیکن غمِ عاشقی کہاں ہے؟

لوگوں کے گداز اُجلے چہرے
کرتے ہیں سوال تو کہاں ہے؟

سب کو ہے دماغ جستجو کا
اپنا جو کہیں نہیں نشاں ہے

دل ہے کہ خرابہ تمنا
دل ہے کہ غبارِ رشتگاں ہے

ایسے میں نسیم دھلوی کا

اک شعر وظیفہٴ زباں ہے

”زنجیر و کبھی کر دی نہ پڑیو

دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۲)

لکھتے تھے اُداس اُداس غزلیں
ریتے تھے یہ اپنے جی کو دھوکے
پہنچیں گی کسی تلک یہ باتیں
اس دل کی سفیرِ خاص ہو کے
بخشیں گے ہمیں بھی کوئی چہرا
گلیوں کے یہ مہرباں بھر دے
ظالم ہے فشارِ آرزو کا
لگتے ہیں جگر میں سو کچھو کے
صُبحوں کو فقیر کوئی آزاد
دیشا ہے صدا جو مُست ہوئے
دشمن ہوا شہرِ ہوش سارا
تم پر ہمیں کچھ نہ کچھ گماں ہے
زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۳)

لیکوں سے بسندھا ہوا تھا بارود
بھپری ہوئی ریل ہتی جوانی
چلتے رہے زندگی کے پیہے
آتا رہا جنکشن بھوانی
پھر دل نے بنا لیا تراہا
پھر دل نے نہ ایک بات مانی
کھڑکیں کہ چلیں کہ لوٹ جائیں
چھاتی سے گزر چلا ہے پانی
اچھا ملا عاشقی بہانا
ہسم کو تو یہ جان ہتی گنوانی
ماضی کے فشار سے جو سنہلے
سردا کا کچھ اور بھی گراں ہے
زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۴)

اُتر میں جو اسی نور پہ پہنچے
دیکھی میاں ہیمیلٹ کی گڑھیا

دکھن میں وہ استوا کی دھرتی
میلا سا ملاحوں کا — لنکا

پچھم میں دکھائے وحشتوں نے

لسدن ہو کہ ہیگ ہو کہ روما

گھوما کیے باغ و راغ شیراز

کاخ و کوئے اصفہان و جلفہ

راتیں وہ کس رکیپین کی

وہ جن کا عجیب سا ہے قصہ

لیکن یہ تلاش میں تھا جس کی

کس سے کہیں کون ہے کہاں ہے

زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو

دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۵)

جاناں کی اُجڑ گئی ہے محل
اُکھڑے ہیں خیام عاشقی کے
دوبے سبھی، چاند ہوں کہ چہرے
سوئے ہوئے بام عاشقی کے
لگتے تھے جو وحشتوں کے الزام
لگتے نہیں نام عاشقی کے
اب تو نہیں حس کو شکایت
قصے ہیں تمام عاشقی کے
بیٹھے ہیں سکون سے دوانے
پورے ہوئے کام عاشقی کے
اندر کارِ حال ہم سے پوچھو
باہر تو بہر طرف اماں ہے
زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۶)

ہم سے نہ دنا بھی لیکن
اب تک ہیں یہی اُداس لوگو

سینے میں ہے جو مچلتا پارا
رہتا ہے تمہارے پاس لوگو

یعنی دل بے دنا ہمارا
تم جس کو کرو قیاس لوگو

مٹتی ہے نہ مٹنا جانتی ہے
ملنے کی تمہاری آکس لوگو

پہلے سے قریب تر ہے دریا
پہلے سے زیادہ پایا کس لوگو

لوگوں کو خیال، ہجر و وصلت
اپنے کو تو عشق امتحاں ہے

زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۷)

بس کے ہو مزاج میں فقیری
جانے کہاں آن بان رکھنا
ممکن ہی کہاں ہے عاشقی میں
جاناں سے عزیز جان رکھنا
وصلت ہو کہ کلفتِ جدائی
دانش کو نہ درمیان رکھنا
اندر سے گداز ہو اگر دل
باہر سے کڑی کمان رکھنا
اس کے بھی صنمیر میں ہے دوئی
رکھنا ہاں سدا و صیان رکھنا
انتہا جی جسے پکارتے ہو
اس شخص کا نام شیر خاں ہے
زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۸)

مٹی کے یہ ڈھیر، اتنی قبریں
لوگو یہ تو دوست تھے ہمارے

خوش چہرہ، حسیں، جواں، دلاور
صحرائے حیات کے چکارے

کیسا ہے یہ اجنبی پھریرا
اپنے تھے یہ نہر کے کنارے

لاہور یہ شہرِ حُسن و خوبی
جس کے سبھی لوگ اتنے پیارے

باغوں میں، رہوں میں، مدرسوں میں
بھرتے تھے غزال سے طرارے

اب گھر ہے کھنڈر، گلی ہے ملبہ

بستی میں غبار ہے دُھواں ہے

زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو

دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

آتے ہیں بمان ٹکڑیوں میں
 پورب میں بھڑک رہی ہے جوالا
 ننگا کھڑا ناچتا ہے جمڈوت
 پہنے ہے بھروسوں کی کنٹھ مال
 اک سمت نہتے گھاؤں والے
 اک سمت ہے ایٹھی رسال
 میکا نک کے جنگلوں میں مابیل
 ستابیل کا بن گسیا نواں
 رہتی تھتی یہاں بھی آل انساں
 انساں ہی نے اس کو بھون ڈالا
 بستی کا نشان پوچھتے ہو؟
 بستی کا کیس جو بے نشان ہے
 زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
 دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۱۰)

اُٹھو ہاں صفیں درست کرو
 لوگو یہ لڑائی آخری ہے
 اک سمت ہے موت کا جیسی ناٹھ
 اک سمت سپاہِ زندگی ہے
 ایسٹم ہو کہ گیس ہو کہ بارود
 مخزن تو سبھی کا ایک ہی ہے
 دشمن ہے جو پیچھے اُس کو ڈھونڈو
 آگے تو ٹکے کا آدمی ہے
 راجپس ہو کہ اژدہا کہ عفریت
 جب بھی کبھی جنگ کی ٹھنی ہے
 انساں نے سدا سے پکھاڑا
 انسان ہمیشہ کا مراں ہے
 زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
 دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

لہ: انگریزی میں اسے جگر ناٹ لکھتے ہیں۔

(۱۱)

اب کے بھی اسے شکست ہوگی
گوئیں وہ نفیرِ جنگ، تیار
تعیّنہ کرو راہ دشمنوں کی
اُونچی کرو آشتی کی دیوار
بُرجوں پہ بٹھاؤ اپنے پہرے
آنا ذرا کرگو خبردار!
آدم کا نشان نہ مٹ سکے گا
ہوتی رہے اسلحے کی یلعنار
بجما ہے وہ اس کا گوسِ رحلت
ہوتا ہے نظامِ زر، نگوں سار
باہر ہو ہزار سنگ و فولاد
اندر سے توریت کا مکاں ہے
زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

دیکھو تو کہاں تھی اپنی منزل
 دیکھو تو وہ لوگ ساتھ والے
 جن سے تھے جنوں کو تازیانے
 جن کے لیے دشت روند ڈالے
 آخر ہوئے محملوں کی زینت
 کر کے ہمیں وقت کے حوالے
 پھرتے ہیں شبینہ محفلوں میں
 لیلے کے گلے میں ہاتھ ڈالے
 مکہ ہے نہ ماسکو نہ پٹن
 کعبے تو سبھی اُجاڑ ڈالے
 ہر ایک کا کوٹھی کا حسانہ
 ہر ایک کا باغ ہے کنواں ہے
 زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
 دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۱۳)

بعضوں کو عزیز اپنی رنگت
بعضوں کو خیال ہے نسب کا
انساں سے زیادہ فیل گھوڑے
دُنیا کا طوید ہے غضب کا
باہر سے ہیں صبح نو کے عاشق
اندر سے مزاج نیم شب کا
اخبار ہے کاغذوں کی ردی
دیتے ہیں جسے لقب ادب کا
اس میں بھی کہاں ہے منکر آزاد
دیکھا ہے کلام ہم نے سب کا
شاہوں نے بھی سیکھ لی سیاست
شورنی میں تو شورِ رائیگاں ہے
زنجیر و کبھی کڑی بند پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

(۱۴)

بسترے گداز ہیں گدیے
راتوں کا سکوں بہت سہانا
لیکن یہ طبیعت گرفتہ
وحشت کا ہے ڈھونڈتی بہانا
پھرے ہوئے دور کے ہیولے
باتیں ہوتیں دیر کی فسانا
خواباں ہوں کہ انقلاب والے
سب نے ہمیں بے وفا ہی جانا
سب کی تو ہے اپنی اپنی تھاؤں
اپنا ہی کہیں نہیں ٹھکانا
اے دل یہ صدا گدائے رہ کی
شاید کسی اور کا بیاں ہے
”زنجیر و کبھی کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے“

یہ بچہ
کس کا بچہ ہے



یہ تصویر! اس بھوکے افلاکت زدہ، مشت ہستیاں بچے کی تصویر،
 ان تصویروں میں سے ہے جو ضمیرِ عالم کو بگاتی ہیں، بھنبھورتی ہیں۔
 دل والوں کی آنکھوں کی خینڈاڑا دیتی ہیں۔ یہ جیش یا اریٹیریا کا قحط زدہ
 صحر ہے۔ جہاں انسانوں اور بریشیوں کے گلے دانے اور پانی کی تلاش
 میں بھٹکتے بھٹکتے گر کر جان دے دیتے ہیں۔ دیکھیے۔ ابھی کوئی موٹر
 آئی ہے اور رگ بڑی تناسل اس کی طرف لپکے ہیں، اور اب مایوس
 کھڑے ہیں۔ شاید یہ موٹر خوراک اور امدادی سامان سے خالی ہو کر آئی
 ہے۔ لیکن اس بچے کو، آدم کے بیٹے کو اس سے ذرہ بھر دل چسپی
 نہیں۔ یا پھر اس کے جسم و روح میں آگنی سکت ہی نہیں کہ اٹھ
 رہاں تک جائے۔

یہ نظم اس بچے نے ہم سے لکھوائی ہے اور یونیسیف کے
 نام اس کا انتساب ہے کہ وہ دنیا بھر کے بچوں کے لیے اتنا کچھ کر رہی ہے۔

ابن انش

۱۵ ستمبر ۱۹۷۰ء



①

یہ بچہ کیسا بچہ ہے

یہ بچہ کالا کالا سا

یہ کالا سا مسٹیا لا سا

یہ بچہ جھوکا جھوکا سا

یہ بچہ سُوکھا سُوکھا سا

یہ بچہ کس کا بچہ ہے

یہ بچہ کیسا بچہ ہے
 جو ریت پہ تنہا بیٹھا ہے
 نا اس کے پیٹ میں روٹی ہے
 نا اس کے تن پر کپڑا ہے
 نا اس کے سر پر ٹوپی ہے
 نا اس کے پیسہ میں جوتا ہے
 نا اس کے پاس کھلونوں میں
 کوئی بھانوس ہے ، کوئی گھوڑا ہے
 نا اس کا جی بسلانے کو
 کوئی لوری ہے ، کوئی جھولا ہے
 نا اس کی جیب میں دھیلا ہے
 نا اس کے ہاتھ میں پیسا ہے
 نا اس کے اتنی اتنی ہیں
 نا اس کی آپا حنالا ہے
 یہ سارے جگ میں تنہا ہے
 یہ بچہ کیسا بچہ ہے

۲

یہ صحرا کیسا صحرا ہے
نا اس صحرا میں بادل ہے
نا اس صحرا میں برکھا ہے
نا اس صحرا میں بالی ہے
نا اس صحرا میں خوشہ ہے
نا اس صحرا میں سبزہ ہے
نا اس صحرا میں سایا ہے
یہ صحرا بھوک کا صحرا ہے
یہ صحرا موت کا صحرا ہے

(۳)

یہ بچہ کیسے بیٹھا ہے
 یہ بچہ کب سے بیٹھا ہے
 یہ بچہ کیا کچھ پوچھتا ہے
 یہ بچہ کیا کچھ کہتا ہے
 یہ دنیا کیسی دنیا ہے
 یہ دنیا کس کی دنیا ہے

(۴)

اس دنیا کے کچھ مکڑوں میں
 کہیں پھول کھلے کہیں سبزہ ہے
 کہیں بادل گھر گھر آتے ہیں
 کہیں چشمہ ہے، کہیں دریا ہے
 کہیں اونچے محل اٹاریاں ہیں
 کہیں محفل ہے، کہیں میلا ہے

کہیں کپڑوں کے بازار سجے
 یہ ریشم ہے ، یہ دیبا ہے
 کہیں غلے کے انبار لگے
 سب گیہوں دھان مہیا ہے
 کہیں دولت کے صندوق بھرے
 ہاں تانبہ ، سونا ، روپا ہے
 تم جو مانگو سو حاصل ہے
 تم جو چاہو سو ملتا ہے

اس جھوک کے دکھ کی دُنیا میں
 یہ کیا سُکھ کا سپنا ہے
 وہ کس دھرتی کے ٹکڑے ہیں
 یہ کس دُنیا کا حصہ ہے



⑤

ہم جس آدم کے بیٹے ہیں
یہ اس آدم کا بیٹا ہے
یہ آدم ایک ہی آدم ہے
وہ گورا ہے یا کالا ہے
یہ دھرتی ایک ہی دھرتی ہے
یہ دنیا ایک ہی دنیا ہے
سب اک داتا کے بندے ہیں
سب بندوں کا اک داتا ہے
کچھ پُرب کچھ پیچم فرق نہیں
اس دھرتی پر حق سب کا ہے

(۶)

یہ تنہا بچہ ہے چارہ
یہ بچہ جو یہاں بیٹھا ہے

اس بچے کی کہیں بھوک مٹے
(کیا مشکل ہے ، ہو سکتا ہے)
اس بچے کو کہیں دودھ ملے
(ہاں دودھ یہاں بہتیرا ہے)
اس بچے کا کوئی تن ڈھانکے
(کیا کپڑوں کا یہاں توڑا ہے؟)
اس بچے کو کوئی گود میں لے
(انسان جو اب تک زندہ ہے)

پھر دیکھیے کیسا بچہ ہے
یہ کتنا پیارا بچہ ہے

(۷)

اس جگہ میں سب کچھ رب کا ہے
 جو رب کا ہے ، وہ سب کا ہے
 سب اپنے ہیں کوئی غیب نہیں
 ہر چیز میں سب کا سا جہا ہے
 جو بڑھتا ہے ، جو اُگتا ہے
 وہ دانا ہے ، یا میوہ ہے
 جو کپڑا ہے ، جو کبل ہے
 جو چاندی ہے ، جو سونا ہے
 وہ سارا ہے اس نیچے کا
 جو تیرا ہے ، جو میرا ہے

یہ بچہ کس کا بچہ ہے؟
 یہ بچہ سب کا بچہ ہے



مشہور مزاح نگار اور شاعر انشاء جی کی خوبصورت تحریریں

آہستہ مطالعت مضبوط جلد خوبصورت گردپوش

110/-	سفر نامہ	آوار و گریز کی ڈائری
110/-	سفر نامہ	دنیا گول ہے
زیر طبع	سفر نامہ	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
زیر طبع	سفر نامہ	چلتے ہو تو چین کو چلیے
60/-	سفر نامہ	نگری نگری پھر ا مسافر
90/-	طنز و مزاح	نمار گندم
60/-	طنز و مزاح	اردو کی آخری کتاب
90/-	مجموعہ کلام	اس بستی کے اک کوپے میں
90/-	مجموعہ کلام	چاند نگر
90/-	مجموعہ کلام	دل و حش
زیر طبع	بچوں کے لئے نظمیں	بلو کا بستہ
زیر طبع	دلچسپ طویل نظم	قصہ ایک کنوارے کا
زیر طبع	خطوط	خط انشاء جی کے
90/-	ایڈ گراہیلن پو / ابن انشاء	اندھانوں
90/-	اوبسری / ابن انشاء	لاکھوں کا شہر

کتابیں منگوانے کے لئے پتہ

عاکف بک ڈپو، ۴۳۷ مٹیا محل دہلی-۱۱۰۰۰۶